ISSN: 2321-8339
اپریل - جون ۲۰۲۲ء

ادارہ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

عدالتی فیصلوں میں اجتہاد کی ضرورت
سید جلال الدین عمری
انگریزی کا اینگلو نارمن ادب اور اسلام
جناب زریاب احمد فلاحی
مغرب میں نکاح کی صورتیں اور اسلام کا تصورِ نکاح
مولانا کمال اختر قاسمی
قرآنی قَسموں کی حکمت
ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی
ظلم واستبداد۔ اسلام کا نقطۂ نظر
مولانا محمد جرجیس کریمی
مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اور تفسیر ثنائی
حافظ محمد زوہیب حنیف
تعارف وتبصرہ

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی

اہم مطبوعات

معرکۂ اسلام وجاہلیت	مولانا صدر الدین اصلاحی	110.00
اسلام۔ایک نجات دہندہ تحریک	مولانا سلطان احمد اصلاحی	90.00
عصر حاضر کا سماجی انتشار اور اسلام کی رہ نمائی	مولانا سلطان احمد اصلاحی	125.00
عصر حاضر کی نفسیاتی الجھنیں اور ان کا اسلامی حل	مولانا سلطان احمد اصلاحی	80.00
اکیسویں صدی کے سماجی مسائل اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	140.00
قرآن، اہل کتاب اور مسلمان	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	70.00
گھریلو تشدّد اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	30.00
حقائق اسلام۔ بعض اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	56.00
حضرت ابراہیم۔امامِ انسانیت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	85.00
ہم جنسیت کا فتنہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	28.00
احیائے اسلام: مفہوم۔مسایل، تقاضے	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
جرائم اور اسلام	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
قرآن مجید اور مستشرقین	مولانا محمد جرجیس کریمی	72.00
اتحادِ امت کا مسئلہ: چند اہم گوشے	مولانا محمد جرجیس کریمی	34.00
اسلام کی امتیازی خصوصیات	مولانا محمد جرجیس کریمی	100.00
سیرتِ نبوی پر اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی	130.00
ملت اسلامیہ کے اختلافات	مولانا ضمیر الحسن فلاحی	65.00
قیامِ امن اور اسلام	مولانا کمال اختر قاسمی	100.00

ملنے کے پتے:

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی
نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔ ۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
D-307، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اپریل ——————— جون ۲۰۲۲ء

مدیر

سیّد جلال الدین عمری

معاون مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی

نبی نگر (جمال پور)، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲

ISSN: 2321-8339

سہ ماہی **تحقیقات اسلامی** علی گڑھ

جلد: ۴۱ شمارہ: ۲

رمضان المبارک ـــــــــ ذی قعدہ ۱۴۴۳ھ

اپریل ـــــــــ جون ۲۰۲۲ء

- مجلّہ کے تمام شمارے www.tahqeeqat.net پر اپ لوڈ کر دیے گئے ہیں۔
- مقالہ نگار حضرات اپنے مقالات tahqeeqat@gmail.com پر ارسال کریں۔
- انتظامی امور سے متعلق رابطہ کے ذرائع:

موبائل: 09897746586

ای میل: idaratahqeeq2016@gmail.com

اکاؤنٹ نمبر: Tehqeeqat-e-Islami, Union Bank of India:
Muslim University, Aligarh
A/. No. 452201010029001, IFSC, UBIN0545228

زرِتعاون

اندرونِ ملک

فی شمارہ	۵۰ روپے
سالانہ	۲۰۰ روپے
پانچ سال کے لیے	۸۰۰ روپے
سالانہ (لائبریریاں و ادارے)	۳۰۰ روپے

برائے پاکستان

سالانہ (انفرادی)	۲۵ امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۳۰ امریکی ڈالر

برائے دیگر ممالک

سالانہ (انفرادی)	۳۰ امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۳۵ امریکی ڈالر

طابع و ناشر سید جلال الدین عمری نے بھارت آفسیٹ دہلی۔۲۵ سے چھپوا کر
ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی، نبی نگر (جمال پور)، علی گڑھ سے شائع کیا

فہرست مضامین

حرف آغاز

عدالتی فیصلوں میں اجتہاد کی ضرورت — سید جلال الدین عمری — ۵

تحقیق وتنقید

انگریزی کا اینگلو- نارمن ادب اور اسلام — جناب زریاب احمد فلاحی — ۱۳

مغرب میں نکاح کی صورتیں اور اسلام کا تصور نکاح — مولانا کمال اختر قاسمی — ۴۳

بحث ونظر

قرآنی قَسموں کی حکمت — ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی — ۶۷

ظلم واستبداد۔ اسلام کا نقطۂ نظر — مولانا محمد جرجیس کریمی — ۸۳

سیر وسوانح

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اور تفسیر ثنائی — حافظ محمد زوہیب حنیف — ۱۰۱

تعارف وتبصرہ

نظریۂ ارتقاء وتصور تخلیق۔ عصری مباحث کا جائزہ — مولانا محمد انس مدنی — ۱۱۳

اصلاح معاشرہ۔ منصوبہ بند عصری طریقے — مولانا محمد صادر ندوی — ۱۱۶

خبرنامہ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی (۸۳) — ادارہ — ۱۱۸

مضامین کا انگریزی خلاصہ — ۱۲۱- ۱۲۸

اس شمارے کے لکھنے والے

۱- جناب زریاب احمد فلاحی

معاون استاد، محکمہ بنیادی تعلیمات، اعظم گڑھ

zaryabahmad_teacher@gmail.com

۲- مولانا کمال اختر قاسمی

رکن ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

kamalakhtarqasmi@gmail.com

۳- ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی

ڈین فیکلٹی آف تھیالوجی، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

alamsaud@yahoo.com

۴- مولانا محمد جرجیس کریمی

رکن ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

jarjeeskarimi@gmail.com

۵- حافظ محمد زہیب حنیف

ریسرچ اسکالر شعبۂ علوم اسلامی، جامعہ کراچی (پاکستان)

zaibizohaib26@gmail.com

۶- مولانا محمد انس مدنی

رکن ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، علی گڑھ

anasfalahi@gmail.com

۷- مولانا محمد صادر ندوی

ریسرچ اسکالر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ

sadiralam943@gmail.com

۸- سید جلال الدین عمری

صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

حرف آغاز

عدالتی فیصلوں میں اجتہاد کی اہمیت

______ سید جلال الدین عمری

قاضی کو اپنے فیصلوں میں اجتہاد کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ لیکن اجتہاد اس وقت ہوگا جب کہ قرآن وحدیث کی ہدایات موجود نہ ہوں۔ ان کے ہوتے ہوئے یا ان کے علی الرغم اجتہاد ایک ناروا عمل ہوگا۔ مشہور حدیث ہے:

ان رسول الله ﷺ لما اراد ان یبعث معاذاً الی الیمن قال کیف تقضی اذاعرض لک قضاء؟ قال أقضی بکتاب الله، قال فان لم تجد فی کتاب الله؟ قال فبسنة رسول الله، قال فان لم تجد فی سنة رسول الله ولا فی کتاب الله؟ قال اجتهد رأیی ولا آلو، فضرب رسول الله صدره فقال: الحمدلله الذی وفّق رسول رسول الله لما یرضیٰ رسول الله۔[1]

جس وقت حضرت معاذؓ کو رسول اللہ ﷺ نے یمن بھیجا تو دریافت کیا: جب کوئی مقدمہ پیش ہو تو فیصلہ کس طرح کروگے؟ جواب دیا: کتاب اللہ کے مطابق، پھر آں حضرت ﷺ نے دریافت کیا: اگر اللہ کی کتاب میں کوئی حل نہ ملے تو کیا کروگے؟ جواب دیا: سنت رسول کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ اس کے بعد آں حضرت ﷺ نے دریافت کیا: اگر کتاب وسنت دونوں میں کوئی واضح رہ نمائی نہ ملے تو کیا طریقہ اختیار کروگے؟ حضرت معاذؓ نے کہا: اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور راہ صواب پانے میں اپنی سی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھوں گا۔ حضور ﷺ نے مسرت سے ان کے سینہ پر ہاتھ رکھا اور کہا: اللہ کا شکر ہے، اس نے اپنے رسول کے قاصد کو رسولِ خدا کی مرضی کے مطابق ہدایت عطا کی۔

۱۔ ابوداؤد کتاب القضاء، باب اجتہاد الرأی، فی القضاء۔ ترمذی ابواب الاحکام، باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی؟ حدیث نمبر ۱۳۲۷۔ اس حدیث کی سند غیر متصل ہونے کی وجہ سے امام ترمذی نے اس کی صحت پر شبہ کیا ہے۔ امام ابن قیمؒ نے ایک لطیف بحث کے ذریعہ اس کی صحت ثابت کی ہے۔ اعلام الموقعین ج ۱، ص ۱۷۵۔۱۷۶

اس واقعہ کی مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: تاریخ الخمیس، ج ۳، ص ۱۵۸۔

قاضی کو مشورے سے فیصلہ کرنا چاہیے

اس کے ساتھ عدالتی فیصلوں میں اہل علم سے مشورہ کی ہدایت کی گئی ہے۔ مسلمہ بن مخلدؒ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے کہا کہ ہمیں محکمۂ قضا کے لیے مجبور کیا گیا ہے۔ بتائیے، کن بنیادوں پر فیصلہ کیا جائے؟ حضرت زید بن ثابتؓ نے جواب دیا: کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرو، اگر کتاب اللہ میں حل نہ ملے تو سنت کی طرف رجوع کرو، اگر سنت میں بھی کوئی جواب نہ ملے تو اہل الرای حضرات کو بلاؤ اور ان سے مشورہ کر کے فیصلہ دو۔[۱]

مشہور تابعی عروہؒ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے دریافت کیا کہ فیصلہ کیسے کیا جائے؟ انہوں نے جواب دیا:

ان رأس القضاء اتباع مافی کتاب الله ثم القضاء بسنة رسول الله ﷺ ثم بحکم ائمة الهدیٰ ثم استشارة ذوی العلم والرأی۔[۲]	قضا کا بہترین طریقہ کتاب اللہ کی اتباع ہے، پھر سنت رسول کے مطابق فیصلہ کرنا، پھر ائمۂ ہدی کے نظائر کے مطابق فیصلہ کرنا ہے۔ اگر یہاں بھی مسئلہ حل نہ ہو تو اصحاب علم و رائے سے مشورہ کے بعد فیصلہ کرنا چاہیے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تمام علاقوں میں یہ حکم نافذ کر دیا تھا کہ ہر مقام کے لوگوں کو وہاں کے فقہا کی متفقہ رائے کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری ہے۔[۳]

احادیث میں نظام مملکت میں آمرانہ اور مستبدانہ رویہ اختیار کرنے پر سخت وعید سنائی گئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے بتایا گیا ہے کہ تین قسم کے لوگ سب سے پہلے جہنم میں جائیں گے، جن میں سے ایک 'امیر مسلط' ہے۔[۴] یعنی وہ

۱۔ السنن الکبریٰ: ج ۱۰، ص ۱۲۵

۲۔ مختصر جامع بیان العلم وفضلہ: ص ۱۰۸

۳۔ دارمی: باب اختلاف الفقہاء: حدیث نمبر ۶۳۴

۴۔ الترغیب والترھیب بحوالۂ ابن حبان: ص ۴۱۴، طبع قدیم

غالب و قاہر جو امت کی رضا کے بغیر مسندِ اقتدار پر قابض ہوجائے اور اپنی من مانی کرنے لگے۔

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

شرار امتی من یلی القضاء ان اشتبه علیه امر لم یشاور الخ ۔[1]	میری امت کا بدترین شخص وہ ہے جو منصب قضا پر متمکن تو ہو، لیکن مشتبہ معاملات میں مشورہ نہ کرتا ہو۔

حضرت عمرؓ قاضی شریحؒ سے فرماتے ہیں:

اقض بما استبان لک من کتاب الله، فان لم تعلم کل کتاب الله فاقض بما استبان لک من قضاء رسول الله، فان لم تعلم کل قضاء رسول الله فاقض بما استبان لک من الائمة المهتدین، فان لم تعلم کل ماقضت به الائمة المهتدین فاجتهد رأیک واستشر أهل العلم والصلاح ۔[2]	اللہ کی کتاب سے تمہیں جو راہ نمائی حاصل ہو اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر تمہیں پوری کتاب اللہ کا علم نہ ہو اور نبی ﷺ کا فیصلہ معلوم ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر رسول اللہ ﷺ کے تمام فیصلوں سے بھی آگاہی نہ ہو تو ہدایت یافتہ ائمہ کے طریقے کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر تمہیں ہدایت یافتہ ائمہ کے سب فیصلوں کا علم نہ ہو تو خود اجتہاد کرو اور اہل علم اور اصحابِ صلاح سے مشورہ کرو۔

حضرت عمرؓ ایک اور موقع پر قاضی شریحؒ کو لکھتے ہیں:

''اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آجائے جس کے بارے میں کتاب وسنت اور ائمۂ صالحین کے فیصلوں سے کوئی واضح ہدایت نہ ملتی ہو تو تم خود بھی اجتہاد کر سکتے ہو اور مجھ سے مشورہ بھی کر سکتے ہو۔ مجھ سے مشورہ کرنا تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔[3]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں:

''قاضی کے اندر پانچ اوصاف پائے جانے چاہیے۔ ان میں سے ایک

۱۔ کنز العمال: ج ۳، ص ۲۰۶۔ مسند الفردوس دیلمی باسناد ضعیف۔ التیسیر بشرح الجامع الصغیر ۲/۵۷

۲۔ کنز العمال: ج ۳، ص ۱۴۷ ۳۔ نسائی کتاب القضاء، باب الحکم باتفاق اہل العلم۔ بیہقی، ج ۱۰، ص ۱۱۰۔

کا بھی فقدان نقص کا باعث ہے۔ وہ گزشتہ مقدمات کا عالم، اہل الرائی سے مشورہ کرنے والا، مضبوط ارادے والا، خصم (مدعی) کے مقابلہ میں حلیم اور ملامت گروں کی ملامت کو انگیز کرنے والا ہو۔"[۱]

مالیات کا ذمہ دار کن صفات کا حامل ہونا چاہیے؟ اس کی وضاحت امام ابو یوسفؒ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

فليكن فقيهاً عالماً مشاوراً لاهل الرأى عفيفاً[۲]	چاہیے کہ وہ فقیہ ہو، عالم ہو، اہل الرائی سے مشورہ کرنے والا ہو اور ناجائز امور سے پرہیز کرنے والا ہو۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

اذا نزل بالحاكم الأمر يحتمل وجوهاً أو مشكل ينبغي له ان يشاور[۳]	جب حاکم کے سامنے کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جو مختلف پہلو اپنے اندر رکھتا ہو یا کوئی مشکل پیدا ہو تو اسے مشیروں سے مشورہ کرنا چاہیے۔

علامہ علاء الدین کاشانی حنفی (م ۵۸۷ھ) فرماتے ہیں:

ان يجلس معه..........جماعة من أهل الفقه يشاورهم ويستعين برأيهم فيمايجهله من الأحكام[۴]	قاضی کے ساتھ (مجلس عدالت) میں اہل فقہ کی ایک جماعت بیٹھے جن سے وہ ان احکام میں جنہیں وہ نہیں جانتا ہے مشورہ کرے اور ان کی رایوں سے مدد لے۔

یہ تصریحات اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ اسلام ایک ایسا نظام عدالت قائم کرنا چاہتا ہے جس میں اصحاب علم سے استفادہ ہو اور ان کے مشورے سے فیصلے کیے جائیں۔

۱۔ راہ البخاری، موقوفا، کتاب الاحکام، باب متی یستوجب القضاء، والبیہقی مرفوعاً، ج۱۰،ص ۱۱۷

۲۔ کتاب الخراج: ص ۱۲۷

۳۔ کتاب الام: ج ۷، ص ۸۶

۴۔ بدائع الصنائع: ج ۷، ص ۱۱۔۱۲

مشیروں کی ذمہ داریاں

یہاں جن ذمہ داریوں کا ذکر ہے ان کا تعلق احکامِ قضا ہی سے نہیں، بلکہ پوری اجتماعی زندگی سے ہے۔اسلام نے ایک طرف عام افراد سے لے کر کارپردازانِ حکومت تک کو مشورہ کرنے اور اس سے استفادہ کا حکم دیا ہے، دوسری طرف اس نے مشیروں کو اپنی نازک ذمہ داریوں سے آگاہ کیا ہے کہ ایک شخص تمہاری صداقت اور دیانت وامانت پر اعتماد کرتا ہے، مسائل کی تیرگیوں میں تمہیں مشعلِ راہ سمجھتا ہے، اگر تم نے اسے راہِ صواب دکھانے کے بجائے ظلمت بھرے جنگل میں پہنچا دیا تو تم نے انسانیت کا خون کر دیا، اپنے ایمان واسلام اور تقویٰ وطہارت کو پامال کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں سے سراسر خسران ونامرادی کی متاع خریدی، کیوں کہ یہ صلاحیتیں تمہیں خیر خواہی اور غم خواری کے لیے دی گئی تھیں۔

اس مقصد کے لیے اسلام اپنے ماننے والوں کے اندر نصح وخیر خواہی کی جلوہ گری دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ معاشرہ درندوں اور وحشیوں کا بھٹ بننے کے بجائے اخوت، ہم دردی، دل سوزی وغم خواری کا منبع بن جائے، جہاں سے خیر وخوبی کے چشمے پھوٹنے لگیں اور ہر فرد دوسرے فرد کو اپنا بھائی، اپنا شریکِ رنج وراحت اور اپنا راز داں وخیر خواہ سمجھنے لگے۔لیکن یہ وہ خیر خواہی نہیں جس میں انسان اندھی عصبیت کے تحت کسی کی حمایت پر کمر بستہ ہو جاتا ہے، خواہ وہ برسرِ حق ہو یا برسرِ باطل، بلکہ یہ وہ خیر خواہی ہے جو اشخاص سے متعلق نہیں ہوتی، بلکہ اس کا تعلق اصول سے ہوتا ہے۔ایک مومن جب کسی کو حق پر دیکھے گا تو اس کی ساری قوت وتوانائی حق اور علم بردار کی حمایت میں صرف ہوگی، چاہے وہ اس کا عزیز ہو یا کوئی اجنبی، اس کا رنگ سفید ہو یا سیاہ، وہ اس کے حدودِ جغرافیہ کے اندر رہتا ہو یا باہر۔اس کے برعکس جب وہ اپنے بھائی کے اندر کوئی نقص یا عیب دیکھے گا یا اسے حق کے بجائے باطل کی راہ پر گامزن پائے گا تو اس کی صلاحیتوں کا ایک ذرہ بھی باطل کے تعاون میں صرف نہیں ہوگا۔ ہاں وہ اپنے بھائی کو باطل کی تباہیوں اور

نامرادیوں سے محفوظ رکھنے کی ہر ممکنہ سعی کرے گا۔

حضرت تمیم داریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: ''الدین النصیحة '' (دین خیر خواہی کا نام ہے۔) صحابہؓ نے دریافت کیا: خیر خواہی کس کے ساتھ کی جائے؟ آپؐ نے جواب دیا: ''اللہ کے ساتھ، اللہ کی کتاب کے ساتھ، اللہ کے رسول کے ساتھ، مسلمانوں کے راہ نماؤں اور عام مسلمانوں کے ساتھ۔''[۱]

ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا: ''تمھارا بھائی خواہ ظالم ہو یا مظلوم، اس کی مدد کرو۔'' صحابہؓ نے عرض کیا: '' مظلوم کی مدد تو ہوسکتی ہے، ظالم کی مدد کیسے کی جائے؟'' آپؐ نے جواب دیا: ''ظالم کا ہاتھ پکڑ لو اور اسے ظلم سے باز رکھو۔''[۲]

اس سے آگے بڑھ کر اسلام ایک اور حقیقت ذہن نشیں کراتا ہے، وہ یہ کہ دوسروں کی بھلائی اور خیر خواہی میں خود انسان کا بھلا ہے۔ دوسروں کو صحیح راہ دکھا کر وہ خود اپنے لیے بھی فلاحِ آخرت اور ثوابِ عقبیٰ کا ذخیرہ جمع کرتا ہے۔

آں حضرت ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے:

من دلّ علىٰ خير فله مثل أجر فاعله[۳]	جو شخص کسی بھلائی کی طرف راہ نمائی کرے تو اسے بھلائی کرنے والے جیسا ثواب ملے گا۔

ان ارشادات سے اسلام اپنے ماننے والوں کے اندر جو روح پیدا کرنا چاہتا ہے، اس کا تصور کیا جاسکتا ہے کہ اس کے نام لیوا اپنی نیک سیرت اور حسنِ عمل سے معاشرہ میں کسی گندہ عمل اور ناپاک کردار کو پنپنے نہ دیں اور جیسے ہی یہ افعیٰ سر اٹھائے اس کا سر کچل کر رکھ دیں۔

ایک مومن جس طرح کسی فرد کی غلط روی نہیں دیکھ سکتا اسی طرح وہ اسے بھی

۱۔ صحیح مسلم، ابوداؤد، کتاب الآداب، باب فی النصیحۃ۔ اس کی تفصیل راقم کی کتاب '**اسلام کی دعوت**' میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ۲۔ بخاری: ابواب المظالم والقصاص، باب اعن اخاک ظالما اومظلوماً۔

۳۔ ابوداؤد: کتاب الآداب، باب فی الدال علی الخیر۔

برداشت نہیں کرسکتا کہ اصحاب اقتدار اور اربابِ بست وکشاد معصیت اور بد عملی کی راہ پر گام زن ہوں۔ اس کا فرض ہے کہ ہر گم راہ کو راہِ صواب دکھائے اور ہر طالبِ خیر کو خیر کی طرف راہ نمائی کرے۔ جس طرح روئی کے گالے اور آگ کا شعلہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، اسی طرح مومن اور بدخواہی کا اتحاد ناممکن ہے۔ جو شخص کسی فرد کی تباہی نہ دیکھ سکتا ہو، اس کے بارے میں کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ مملکت اور سلطنت کی تباہی کو ٹھنڈے دل سے برداشت کرے گا؟

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تباہی اور خسران ہے اس دھوکا باز کے لیے۔'' اصحابہؓ کرام نے دریافت کیا: آپ کی مراد کس قسم کے فریب دہندہ کی ہے؟ ارشاد فرمایا: میرا روئے کلام اس مکار کی طرف ہے جس کے سفلہ پن کا یہ حال ہوتا ہے کہ جب امیر سچ بولتا ہے تو یہ اس کی تصدیق کرتا ہے اور دروغ گوئی سے کام لیتا ہے تو بھی وہ اس کی جی حضوری کرتا ہے۔[۲]

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ کعب بن عجرہؓ سے کہا: اللہ تمہیں بے وقوفوں کے دورِ امارت کے شر سے محفوظ رکھے۔'' کعبؓ نے پوچھا: بے وقوفوں کی امارت سے آپؐ کی کیا منشا ہے؟ آپؐ نے جواب دیا: ''میرے بعد ایسے لوگوں کے ہاتھ میں زمامِ اقتدار آئے گی جو میرے طریقے کی اتباع نہیں کریں گے اور میری بتائی ہوئی صراط مستقیم پر گام زن نہیں ہوں گے۔ جو کوئی ان کی غلط روی کی تائید کرے گا اور ان کے ظلم میں ان کا ہاتھ بٹائے گا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور وہ قیامت کے دن میرے حوض پر حاضر نہ ہو سکے گا، لیکن جو شخص ان کے جھوٹ کی تصدیق نہ کرے اور ان کی جابرانہ روش میں ان کا دست وبازو نہ بنے، اس کا تعلق مجھ سے ہے اور میرا اس سے، اور وہ قیامت کے دن میرے حوض پر آ سکے گا۔[۳]

۱۔ حدیث میں لفظ 'الذریبۃ' ہے، جو شکاری کی کمین گاہ کو کہتے ہیں۔

۲۔ کنز العمال: ج ۳، ص ۱۷۲

۳۔ مستدرک حاکم: ج ۱، ص ۷۹ وراہ الترمذی والنسائی مع اختلاف یسیر۔ نسائی، کتاب البیعۃ

بعض اوقات آپ نے ظالم کے ظلم کا ساتھ دینے پر اس سے بھی زیادہ پُر ہول وعیدیں سنائی ہیں۔ ایک مرتبہ فرمایا:

من أعان ظالماً علی ظلمه جاء یوم القیامة وعلی جبهته مکتوب آئس من رحمة الله[1]	جس نے کسی ظالم کی اس کے ظلم میں مدد کی تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کی پیشانی پر رحمتِ الٰہی سے مایوسی لکھا ہوا ہوگا۔

ایک اور حدیث ہے:

من مشیٰ مع ظالم لیعینه وهو یعلم انه ظالم فقد خرج من الاسلام[2]	جو شخص ظالم کی دیدہٗ ودانستہ مدد کے لیے قدم اٹھائے تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔

اسلام جس طرح کا معاشرہ تشکیل دیتا ہے وہ اگر صحیح معنیٰ میں وجود میں آ جائے تو ظلم وزیادتی اور جور وستم کے امکانات کم سے کم ہو جائیں گے۔

۱۔ کنز العمال: ج۳، ص ۲۰۵

۲۔ مشکوٰۃ بحوالہ بیہقی: باب الظلم

اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور

مولانا سید جلال الدین عمری

خدمتِ خلق کے موضوع پر یہ ایک شاہ کار تصنیف ہے۔ اس میں درج ذیل عناوین پر بڑی عالمانہ اور تحقیقی بحث کی گئی ہے:

خدمت خلق کا صحیح تصور اور غلط تصورات کی تردید، خدمتِ خلق کا اجر و ثواب، خدمت کے مستحقین، خدمت سب کی کی جائے، وقتی خدمات، رفاہی خدمات، خدمت کے لیے انفرادی و اجتماعی کوششیں، خدمت کے لیے اخلاص کی ضرورت۔ موجودہ دور میں خدمت کے تقاضے اور ان پر عمل کی شکلیں۔

اس کتاب کا انگریزی، عربی ہندی، ملیالم اور ٹمل زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

صفحات: ۱۵۴ قیمت: ۱۱۰/روپے

انگریزی کا اینگلو- نارمن ادب اور اسلام

—— جناب زریاب احمد فلاحی

Norman دراصل Northman کا مخفف ہے۔ یہ فرانس کے صوبہ Normandy کے رہنے والے تھے- یہیں کے ڈیوک William نے 1066ء میں انگلستان پر حملہ کیا اور Hastings کی جنگ میں King Harold کو شکست دی۔[۱] اس فتح نے انگلستان کی تصویر بدل ڈالی اور اس کے بڑے دور رس اثرات مرتب ہوئے، مثلاً اسی فتح کی بنا پر انگریز قوم کا ظہور ممکن ہوسکا۔ اب تک جو سر زمین انگلستان مختلف جنگ جو قبائل اور نسلوں کی آماج گاہ بنی ہوئی تھی، وہ اس جنگ کے بعد ایک متحد قوم بن کر ابھری۔ ساتھ ہی قومی زبان کی اہمیت وضرورت پر بھی انتہائی مثبت ومؤثر اثرات دیکھنے کو ملے، مثلاً 1350ء میں انگریزی کو اسکولوں 1362ء میں عدالتوں اور 1369ء میں پارلیمنٹ کی زبان تسلیم کرلیا گیا۔[۲] مزید برآں اس فتح نے انگلستان کو ایک نئی زبان و ادب (فرنچ) کے خزانے سے مالا مال کردیا۔ Anglo-Norman دور کی تقریباً تین صدیوں میں طبقۂ اشراف اور عدالتوں، اسکولوں اور ادب کی زبان فرنچ رہی۔ مگر Saxon اور Norman کے اختلاط وتعامل سے جدید انگریزی زبان کا ذخیرہ متعارف ہوا۔ پوری Anglo-Saxon شاعری صنعت تجنیس Alliterative line پر مبنی تھی[۳] جب کہ یہ وہ دور ہے کہ اس کے اندر ان تمام اصناف شاعری کی، جن کو بعد کے انگریزی شاعری کے ادوار میں برتا گیا اور ان میں طبع آزمائی کی گئی، تخم آوری ہو چکی تھی اور ان میں سے کچھ کے تو پھول بھی کھل چکے تھے۔[۴]

قدیم انگریزی ادب میں اسلام کو بہت محدود انداز میں موضوع بحث بنایا گیا تھا، مگر اس دور میں کافی وسعت کا مظاہرہ کیا گیا، کیوں کہ انگریزی ادب کا یہ دور اس

حیثیت سے ممتاز ہے کہ اس میں مسلمان اور نصاریٰ براہ راست ایک دوسرے کے قریب ہوئے اور انہیں باہمی ربط و تعلق کے مواقع ملے۔ مسلمان اور نصاری کے براہ رست دو بدو ہونے کی پہلی حقیقی اور واقعی صورت صلیبی جنگیں ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جب قیصر روم اور اس کے ماتحتوں کو خطوط کے ذریعہ دعوت اسلام دی تو عیسائی دنیا کو بڑا خطرہ محسوس ہوا۔ انھیں لگا کہ مذاہب عالم کی سطح پر ان کی مذہبی چودھراہٹ کی بساط اب الٹنے والی ہے اور اسلام کا آفتاب مطلع تہذیب پر خورشید درخشاں بن کر چھا جانے کو بے قرار ہے۔ بعد ازاں کلیسا نے مذاہب عالم کے اسٹیج پر اسلام کو اپنا سب سے بڑا اور طاقت ور حریف تصور کرلیا۔

> "The existence of Islam was the most far-reaching problem in medieval Christendom. It was a problem at every level of experience.(5) "
> "The Middle Ages were the Golden Ages of the Islamic problem "(6)

لہٰذا اشاعت اسلام کے سیل رواں کے سدّباب کے پیش نظر عیسائی دنیا نے اسلام کو میدان جنگ میں للکارا۔ برطانیہ پر نارمنوں کے حملے کے تقریباً تیس سال بعد پہلی صلیبی جنگ 1096ء میں شروع ہوئی اور اس کا سلسلہ 1271ء تک لگ بھگ دوصدی تک چلتا رہا۔ ان جنگوں بالخصوص معرکہ حطّین اور اس کے بعد کی لڑائیوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یورپ خصوصاً فرانسیسی اور انگریزی ادب کے ادباء وقلم کاروں کو خوب مواد فراہم کیا۔

رچرڈ شیر دل نامی Heroic Poem چودھویں صدی کی تصنیف ہے۔ اس میں تیسری صلیبی جنگ (92-1189ء) کے تمام واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ سب سے بڑی اور مشہور جنگ ہے، جو سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے بیت المقدس فتح کر لینے کے بعد لڑی گئی اور اس کی قیادت برطانیہ کے رچرڈ شیر دل، فرانس کے بادشاہ فلپ اور جرمنی کے شہنشاہ فریڈوک باربروسہ نے کی''۔[۸] اس کے اندر ایک ایسے حادثہ کا ذکر ہے جو صلیبیوں کی وحشت و بربریت کی واضح دلیل ہے۔ وہ یہ کہ رچرڈ شیر دل ایک روز

بیمار پڑ گیا۔ اس نے اپنے غلام کو خنزیر کا گوشت فراہم کرنے کا حکم دیا۔ نگران اعلیٰ نے مسلمانوں کے ایک فربہ جسم بچہ کو ذبح کر کے بادشاہ کے حضور پیش کر دیا اور کہا کہ ''لیجئے یہ خنزیر کا گوشت حاضر خدمت ہے''۔ ۷

فرانسیسی ادب میں اس کے مثل ایک اور قصہ 'بادشاہ رچرڈ کا حملہ' کے عنوان سے ملتا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ رچرڈ نے ایک جنگ میں اپنی فوج کو حکم دیا کہ تمام مسلم قیدیوں بشمول بچے، عورتوں اور مردوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کے سروں کو دسترخوان پر سجایا جائے۔ ۸

اس طرح کے قصوں کا مقصود صلیبیوں کی قصیدہ خوانی ہوتی تھی اور اسی لیے کوئی بھی جنگی موقف جس سے مسلمانوں کو نقصان اور تکلیف پہنچ سکتی تھی، اسے شجاعت و بہادری، مردانگی اور Heroism کا نام دیا جاتا تھا۔ ان میں حقیقت اسلام اور مسلمانوں کی اصل زندگی کے خلاف جھوٹ، غلط بیانی اور افسانہ بازی کا طومار باندھا جاتا تھا۔ ''ازمنۂ وسطی کی رومانی داستانیں، Dorathee Metlitzki کے الفاظ میں، لازمی طور پر متعصّبانہ پروپگنڈہ کا وسیلہ ہیں، جن میں نظام فتّوت کے اخلاقی معیار بھی مذہب، سیاست اور نظریہ کی ضرورتوں کے تابع فرمان ہوتے ہیں۔ ان کے مطابق ملحد، کافر (مسلمان) غلط اور ناحق پر ہیں اور عیسائی چاہے جو بھی کریں وہ ہر حال میں برحق ہیں۔ ایک ہی بنیادی موضوع 'عیسائیت کی اسلام کی خلاف جنگ' پر وہ سب سے زیادہ مرکوز ہوتی ہیں''۔ اس لیے Dorathee نے انھیں 'اساطیر، روایات، حقائق اور پروپگنڈہ کا ملغوبہ کہا ہے'۔ ۹ Southern نے بھی اعتراف کیا ہے کہ 'ازمنۂ وسطی میں ہم دردانہ، علمی وفنّی اور غیر جانب دارانہ تحقیق کی تو ہم امید ہی نہیں کر سکتے۔' ۱۰

مذکورہ قصہ میں فاش تاریخی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً اس میں رچرڈ شیر دل اور صلاح الدین ایوبیؒ کے مابین مبارزت کا بیان ہے، جب کہ کتب تاریخ شاہد ہیں کہ صلاح الدین ایوبیؒ کبھی جنگ یا امن کی حالت میں رچرڈ سے نہیں ملے۔ رچرڈ سے ان کے بھائی الملک العادل کی ملاقات ہوئی تھی۔

فاطمہ عبداللہ اور آمنہ بہاری نے Karen Arm Strong کے حوالے سے لکھا ہے کہ" مسلمان اور مغرب کے تعلقات کی تلخ تاریخ کی ابتداء ۸۵۰ء میں مسلم اسپین کے اندر مانی جاسکتی ہے، جب کہ ایک عیسائی راہب سر عام رسول اللہ ﷺ کے تعلق سے دشنام طرازی اور یاوہ گوئی کر رہا تھا کہ آپؐ جھوٹے مدعی، جنسی بے راہ رو اور خود حضرت مسیحؑ کے مخالف ہیں"۔[11]

پروفیسر عبدالرحیم قدوائی نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی مغربی ادب میں نمائندگی کے مطالعہ کے لیے Chanson de Gest کو نقطۂ آغاز اور قدیم ترین مأخذ قرار دیا ہے۔ Chanson de Gest بارہویں صدی میں قدیم فرنچ، Picard, Francien اور اینگلوسیکسن زبانوں کے زبانی گیتوں کا سلسلہ ہے، جو عامۃ الناس کی تفریح طبع اور صلیبیوں کی حوصلہ افزائی کے پیش نظر ضبط تحریر میں لایا گیا۔ اس سے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے متعلق عوامی نظریہ کی عکاسی ہوتی ہے۔ ان گیتوں میں اکثر رحمۃ للعالمین ﷺ کے اسم مبارک کی محرّف شکلوں کا استعمال کیا گیا ہے۔[12]

پروفیسر بائرن پارٹر اسمتھ نے آکسفورڈ ڈکشنری کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس میں محمد ﷺ کے نام کی کل تہتر (۷۳) مختلف شکلیں درج ہیں۔ Mahomet کی سترہ (۱۷) شکلیں اور Mahound کی بھی سترہ (۱۷) شکلیں مستعمل ہیں۔ Maumet کی تینتیس (۳۳) اور Mohammed کی چھ (۶) الگ الگ Spelling اس میں ملتی ہے۔[13] طرفہ تماشا دیکھئے کہ یہ سب منفی وسلبی معانی کے حامل الفاظ ہیں۔

ان عوامی گیتوں میں مسلمانوں سے متعلق کثرت سے مواد ملتا ہے۔ انھیں Saracens کا نام دیا گیا ہے۔ اکثر گیت بنیادی طور پر تبدیلی مذہب سے متعلق ہیں اور عیسائیت کو بطور مسیحا ونجات دہندہ کے پیش کرتے ہیں۔

Chanson de Geste میں یہ تکنیک سکّہ بند تھی کہ مردانگی اور دیگر اوصاف حمیدہ کے پیکر عیسائی منصب دار یا شہزادے کے قدموں تلے مسلم شہزادیاں بالکل بچھ جاتیں اور اس کے چشم ابرو کے اشارے پر اپنا مذہب اور اپنا خاندان قربان کرکے اپنا

بدن اس کے سپرد کردیتی تھیں۔'' قرون وسطی کے مغرب کے ادب میں مسلم کرداروں کی شمولیت کا واحد مقصد خود ان ہی کی زبانی اسلام کا استخفاف اور تنقیص اور ان کا اعلان ارتداد ہے''۔۱۴؎ ان عوامی گیتوں میں رسول اللہ ﷺ کو جھوٹا نبی، اللہ کا باغی، عیسائی قائد، بطریق، جاہ طلب اور حضرت عیسیٰؑ کا نبی وغیرہ گردانا گیا ہے۔

فرانسیسی رزمیہ نظموں میں رسول اللہ ﷺ کو (نعوذ باللہ) شیطان کا پہلوٹا بیٹا ،باغی بطریق وعیسائی مرتد بتایا گیا ہے۔شراب اور خنزیر کی حرمت کو آپؐ کی ناپسندیدگی سے جوڑا گیا ہے۔ حج کے بارے میں لکھا ہے کہ مسلمان مکہ میں واقع آپؐ کی قبر کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ان گیتوں میں مسجد کے لیے 'Mahumery' کی اصطلاح وضع کی گئی ہے جس میں بت کی مستقل عبادت کی جاسکتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ Venus کے معبد کو بھی، جس میں علی الاعلان بت رکھے ہوتے تھے، مسجد کے معنی میں استعمال کیا جاتا تھا۔ جب کہ Norman Danel نے سچ بیان کردیا ہے کہ عیسائیوں کے ذریعہ قبضہ میں لی گئی کسی بھی مسجد میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو ان میں بتوں کی نظریہ کے ذرہ برابر احتمال کا موجب ہو''۔۱۵؎

La Chanson de Roland (رالینڈ کا گیت) ۱۱۰۰ء سے کچھ پہلے لکھی گئی رزمیہ نظم ہے۔W.J.Long نے اسے 'The French national epic' یعنی فرانس کی قومی رزمیہ قرار دیا ہے۔اس میں رسول اللہ ﷺ کو ایک بت کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جس کی مسلمان عبادت کرتے ہیں، دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لیے اس سے استعانت طلب کرتے ہیں اور اس کے نام کی دہائی دیتے ہیں۔ اس میں سب سے بھیانک افتراء پردازی یہ کی گئی ہے کہ آپؐ کے اسم مبارک کو Apollo اور Tervagant جیسے قدیم ملحدانہ خداؤوں سے جوڑ دیا گیا ہے اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلام میں بھی ایک طرح کا عقیدہ تثلیث موجود ہے اور اسلام ملحدانہ مذہب ہے، کیوں کہ اس میں صراحت کی گئی ہے کہ ملحد غلط ہیں اور عیسائی برحق ہیں۔ Samuel C. Chew کا کہنا ہے کہ ''اسلام کے خلاف عیسائی تعصب کی جس انتہا کا اس فرانسیسی

نظم میں بیان ہے، اس کی نظیر و مثال نہیں ملتی ہے''۔Roman d Mahomet (تیرہویں صدی) میں آپ ﷺ کو فریبی، رہ زن، شیطان مجسم اور انتہائی قابل نفرت جرائم کا مرتکب ٹھہرایا گیا ہے۔ جھوٹ، من گھڑت اور اپنے مقصد براری کے لیے ان گیتوں میں اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا جاتا تھا اس پر Meredith Jones نے ان الفاظ میں تنقید کی ہے: ''معاصر تاریخی دستاویزوں کو ملحوظ رکھیں تو یہ حیرت انگیز پہلو ابھر کر سامنے آتا ہے کہ یہ شعراء ازمنۂ وسطیٰ کی عیسائی عملیات کا توصحیح ذکر کرتے ہیں، مگر اپنے حریفوں کی جملہ عادات و رسوم کے تعلق سے اس قدر صریح جھوٹ اور افتراء پردازی کا رویہ اپناتے ہیں کہ ہمارے لیے یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ اہل اسلام کی کبھی سچی تصویر کشی بھی ہو سکتی ہے''۔

اس طرح ہر وہ چیز جسے عیسائی اخلاق سوز، بُرا اور قابل نفرت سمجھتے تھے اسے مسلمانوں کے ایمان و عقیدہ کا جزء لاینفک باور کرایا جاتا تھا۔ محمد ﷺ کو مسیحی دنیا کا فطری دشمن بتلایا گیا، مگر آپ ؐ کی یہ تصویر بس یونہی اتفاقیہ نہیں بن گئی تھی اور نہ آپ ؐ کی حقیقت اور تعلیمات سے لاعلمی کی عکاسی کرتی ہے۔ یہ تو شدید مذہبی جوش و ولولہ کی یادگار ہے۔

ازمنۂ وسطیٰ کے ان شعراء کا تصور اسلام اہل کلیسا سے مستفاد تھا، جو خود بزنطینی قلم کاروں کے در کے بھکاری تھے۔ Purutz کے مطابق ''اس دور میں آپ ؐ سے متعلق رائج اکثر داستانوں کا مأخذ بزنطینی ہیں''۔Mathew Dimmock نے ان داستانوں کی فہرست فراہم کی ہے جن میں نبی کریم ﷺ کو بت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ Hildebert de Tourse (1056-1133) کی لاطینی نظم Historia de Mahomete میں یہ ذکر ہے کہ محمد ﷺ نے یہ پیشن گوئی کی تھی کہ اپنی وفات کے تین روز بعد وہ دوبارہ جی اٹھیں گے۔ اس میں آپ ؐ کے تابوت کے مقناطیس کے سہارے فضا میں معلّق ہونے کا بھی بیان ملتا ہے۔

Alexander du Pont کی فرانسیسی تخلیق Roman de Mahomet (1258) میں بھی آپ ؐ کے بارے میں فحش داستانیں شامل ہیں۔ اس میں

Mahomet کی چال بازیوں، فریب، شہوت رانی اور معلّق تابوت پر کلام کیا گیا ہے۔ Alexander du Pont نے وہی گھسی پٹی بات دہرائی Esposito لکھتا ہے کہ ”ہے کہ محمد دراصل عیسائی بطریق تھے، جن سے یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر وہ مسلمانوں کو عیسائی بنا دیں تو انھیں پاپائیت کے تخت سے نوازا جائے گا لیکن انھوں اپنے مشن میں ناکام ہونے پر ایک بدعتی فرقہ Mahometans شروع کردیا“

Chanson de geste میں نبی کریم ﷺ کی تصویر کشی کے تعلق سے Esposito لکھتا ہے: "Descriptions are wildly inaccurate" یعنی عوامی گیتوں میں اسلام سے متعلق معلومات حد درجہ غیر صحیح ہیں“۔

Walter (بارہویں صدی کا راہب) کی نظم De Machomete میں بھی خوب یاوہ گوئی کی گئی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ”آپ ﷺ نے ایک غلام کی حیثیت سے زندگی کا سفر شروع کیا تھا اور اپنے سابق آقا کے بیوہ سے شادی رچائی، بعدازاں ایک شیطان مجسم ساحر کے چیلے بن گئے اور سارے جادوگروں پر فائق ہوگئے۔ استاد جادوگر نے ایک سانڈ کو ٹرینڈ کر رکھا تھا جس نے لیبیا کے افریقیوں کو قائل کردیا کہ وہ نبی کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیں۔ استاد نے کہا کہ اگر نبی جملہ اخلاقی بندشوں کو کالعدم قرار دے دیتا ہے تو اسے خدا کا مقام بلند عطا ہوجائے گا۔ اس نے اپنے استاد کی احسان شناسی کی اور نتیجۃً پورا افریقہ عیاشی کے دلدل میں دھنس گیا۔ اس نبی کا تابوت مقناطیس کے سہارے بیچ فضا میں معلّق ہے، جہاں وہ قوتِ ساحری کی وجہ سے بالکل صحیح سالم اور مقدس پڑا ہوا ہے“۔

Du Ponte کی مذکورہ یاوہ گوئی Walter کی اسی نظم سے مأخوذ ہے جس میں اس نے مزید بہت سی بے بنیاد داستانوں کا اضافہ کردیا ہے، مثلاً ایک تارک الدنیا نے آپ ﷺ کو پال پوس کر شرّ مجسم کا روپ دے دیا۔ آپ نے ایک بچھڑے کو تربیت دے رکھی تھی۔ اس کی سینگوں میں کاغذ کے ٹکڑے لٹکتے رہتے تھے، جن میں شرعی احکام درج ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کے عیسائی باغی ہونے کی روایت ایک دوسرے فرانسیسی رزمیہ The Trouves میں بھی موجود ہے، کیوں کہ آپ نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا

ماننے سے انکار کردیا تھا۔ Chanson de William (1215) نے تو ایک قدم آگے بڑھ کر آپ ﷺ کو فرعون تک کہہ ڈالا، جس کی اس کے متبعین عبادت کرتے ہیں۔

Samuel C.Chew نے اس پس منظر میں بڑے پتے کی بات کہی ہے۔ وہ لکھتا ہے ''ازمنۂ وسطیٰ میں بڑے پیمانے پر یہ یقین کیا جاتا تھا کہ اسلام عیسائیت کی کافرانہ شکل (بدعت) ہے اور یہ کہ Mahomet پھوٹ اور افتراق کا بے راہ رو وسیلہ ہیں، جو ابلیسانہ تأثیر کے تحت سرگرم عمل ہیں۔ مذہب عیسائیت کا آفاقی تصور اپنے جلو میں یہ اذعان کلی بھی لیے تھا کہ عیسائیت کے قیام کے بعد سے رونما ہونے والا ہر ایک خود ساختہ مذہب لازمی طور پر عقیدۂ برحق (عیسائیت) کی ناجائز و بے وفا اولاد کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا، جس کی قسمت میں عن قریب یا تو حلقہ بگوش عیسائیت ہوجانا لکھا ہے، یا وہ بہت جلد صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے گا''۔

رسول اللہ ﷺ کو جھوٹا مدعی نبوت، مکار اور فریبی (نعوذ باللہ) ثابت کرنے کی غرض سے درج ذیل قسم کی ہفوات بھی وسیع پیمانے پر عام کی گئیں کہ آپؐ بار ہا مرگی کے دورے کا شکار ہوکر گرنے لگے۔ حضرت خدیجہؓ یہ دیکھ کر حد درجہ غمگین ہوگئیں کہ انھوں نے ایک بہت ہی ناپاک مریض مرگی سے شادی کرلی ہے۔ ان کے غم کو ہلکا کرنے کے لیے حضرت محمد ﷺ یہ کہہ کر تسلی دیتے کہ میں جبریل امین کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہتا ہوں جو مجھ سے مخاطب ہوتے ہیں۔ میں اپنی بشری صورت و حالت میں ان کے چہرے کی آب و تاب کا متحمل نہیں ہو پاتا، چنانچہ زمین پر گر پڑتا ہوں۔

ازمنۂ وسطیٰ کے مناظرہ باز عیسائی مصنفین کی اسلام کو بدنام کرنے اور اس کے درجۂ اعتبار کو گھٹانے کی حکمت عملی کا دراصل یہ اہم ہدف تھا کہ آپ ﷺ کی پیغمبرانہ حیثیت کو مجروح کردیا جائے اور یہ ثابت کردیا جائے کہ آپؐ تو نبی مرسل نہیں ہیں، پھر تو اسلام کی فلک بوس عمارت پل بھر میں زمین بوس ہوجائے گی۔ عیسائی مناظرہ کا بنیادی مقصد یہ دکھانا تھا کہ آپؐ خود اپنے مذہب کے بانی ہیں اور آپؐ کی وحی الٰہی، ایک خاص مقام و دور کے سماجی حالات کی پیداوار ہے۔

ازمنۂ وسطیٰ کے عوامی گیتوں کی اصلیت کو Norman Daniel نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ’’ایک شکستہ و چور چور آئینہ میں جس طرح کسی شے کی حقیقی صورت ناقابل شناخت حد تک بگڑ جاتی ہے، ٹھیک اسی طرح ان گیتوں میں شرقی مذہب (اسلام) کے اصل حقائق کو مسخ کر دیا گیا ہے‘‘۔[۱۶]

ہنری دی کاستری نے ان قصوں اور گیتوں کے بارے میں لکھا ہے: ’’وہ تمام قصص اور گیت جو اسلام کے متعلق یوروپ میں قرون وسطیٰ سے رائج تھے، ہم نہیں سمجھتے کہ مسلمان ان کو سن کر کیا کہیں گے؟ یہ تمام داستانیں اور نظمیں مسلمانوں کے مذہب کی ناواقفیت کی وجہ سے بغض و عداوت سے بھری ہوئی ہیں۔ جو غلطیاں اور بدگمانیاں اسلام کے متعلق آج تک قائم ہیں، ان کا باعث وہی قدیم معلومات ہیں۔ ہر مسیحی شاعر مسلمانوں کو مشرک اور بت پرست سمجھتا تھا اور حسب ترتیب درجات ان کے تین خدا تسلیم کیے جاتے تھے۔ ماہوم یا ماہون یا مافومڈ یعنی (محامڈ) اور اپلین اور تیسرا ٹرگامان۔ ان کا خیال تھا کہ محمد ﷺ نے اپنے مذہب کی بنیاد دعوئے الوہیت پر قائم کی اور سب سے عجیب تر یہ ہے کہ (وہ محمد جو بت شکن اور دشمن اصنام تھا) لوگوں کو اپنے طلائی بت کی پرستش کی دعوت دیتا تھا‘‘۔[۱۷]

فرانسیسی مؤلف Michel Jean Sedaine 1719-92 نے رچرڈ شیر دل کے نام سے 1764ء میں ایک ڈرامہ لکھا۔ اس میں اس نے رچرڈ کے مسلمانوں کو زیر کرنے، انھیں سبق سکھانے، انتقام لینے اور دیگر کارناموں کی قصیدہ خوانی کی ہے، جب کہ حقیقت نفس الأمری اس کے بالکل برعکس ہے۔ رچرڈ اور اس کے سپہ سالاروں کو مسلمانوں کے خلاف اس معرکہ میں شکست فاش سے دوچار ہونا پڑا تھا اور مسلمانوں کو فتح و غلبہ نصیب ہوا تھا۔ تاریخی روایات کے مطابق صلیبی افواج کی صفوں میں اختلاف نے جنم لے لیا تھا، لہٰذا میدان جنگ میں ان کی ہوا اکھڑ گئی تھی۔ ایسی صورت میں رچرڈ مسلمان افواج کو کیسے مغلوب کر سکتا تھا؟ وہ مسلمانوں سے انتقام لینے کی حالت میں کہاں تھا؟ مگر Sedaine جیسے مصنّفین کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ نصرانیت کی طاقت وقوت اور شوکت و

عظمت کی مدح سرائی کی جائے اور مسلمانوں کو کم زور و بے بس اور ذلیل ورسوا باور کرایا جائے۔ چاہے اس کے لیے جھوٹ، غلط بیانی اور پروپیگنڈا کا ہی سہارا کیوں نہ لینا پڑے۔

1260-1272ء کے دوران شائع ہونے والی حکایات The Tales Minstrel Rhemic میں بھی اسی طرح کی لایعنی باتوں اور جھوٹ کا طومار باندھا گیا ہے۔ اس کی رو سے سلطان صلاح الدین ایوبیؒ دوسری صلیبی جنگ کے قائد فرانسیسی شہنشاہ کی ملکہ کے عشق میں گرفتار ہوگئے تھے۔ ملکہ نے صلاح الدین ایوبیؒ کی محبت کے خمار میں اپنے آبائی دین سے گلوخلاصی حاصل کرلی اور اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا، تاکہ اس مسلم بطل جلیل سے شادی کرسکے۔ کتب تاریخ کی اوراق گردانی کریں تو یہ قصہ بھی جھوٹ اور افتراء پردازی سے بھرا نظر آتا ہے، کیوں کہ دوسری صلیبی جنگ کے وقت سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی عمر گیارہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ 1147ء میں دوسری صلیبی جنگ کی ابتدا ہوتی ہے اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی پیدائش کا سال 1136ء ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے تعلق سے اسی سلسلہ کا ایک اور جھوٹ یہ گھڑا گیا کہ وہ اسلام کے بجائے میسیحیت کو صحیح دین مانتے تھے اور بپتسمہ ومقدس پانی سے اپنے نفس اور جسم کی تطہیر کے لیے ایک گرجا گھر بھی گئے۔ اس سے بڑھ کر ان روایات میں یہ حکایت بھی مروی ہے کہ وفات کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کو شہر دمشق میں واقع ایک بڑے مسیحی گرجا سے ملحق مقبرہ میں دفن کیا گیا تھا۔

فرانسیسی شاعر Grained de Douai نے پہلے صلیبی حملے سے متعلق بہت سی نظمیں زیب قرطاس کی ہیں، مثلاً Chanson Antioc اور Conquete de Jerusalem۔ یہ دونوں نظمیں تیرہویں صدی کے اوائل میں منظر عام پر آئیں۔ ایک دوسرے فرانسیسی شاعر Aimbroised Evreux نے تیسرے صلیبی حملے پر مرکوز طویل نظم Estoire dela gueve Saint لکھی، جو تقریباً بارہ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ اس نظم میں یہ تصویر پیش کی گئی ہے کہ مقامات مقدسہ کی زیارت کرنے والے مسیحی زائرین کے ساتھ مسلمان برا سلوک کرتے تھے۔ شاعر یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ عرب اور

مسلمان وحشی قوم تھے۔ انہیں تہذیب و ثقافت اور انسانی اخلاقیات کا عرفان و ادراک نہیں حاصل تھا۔ ۱۸؎ ’’قرون وسطی کے مغرب کے ادب کے آئینہ میں اسلام عیسائیت کی ایک مسخ شدہ شکل اور مسلمان عقل اور تہذیب سے قطعاً عاری وحشی وجود (انسان نہیں) نظر آتے ہیں‘‘ ۱۹؎ اس نظم میں رچرڈ شیر دل کے کارناموں کا راگ الاپا گیا ہے۔

اینگلو۔نارمن عہد ہی میں مغرب کی تحریک ترجمۂ معانی قرآن کا بھی آغاز ہوا۔ اس تحریک کا مولد فرانس ہے، جہاں کے مشہور عیسائی دیر Cluny کے صدر راہب Peter کے مشورہ و ہدایت پر چار افراد (1) Petrus of Talela, (2)Robert of Ketton (3)Petrus of Powatiee (4)Hermann of Dalmatia نے 1143ء میں لاطینی زبان میں قرآن کا پہلا مغربی زبان میں ترجمہ کیا۔۲۰؎ اسے یورپ کے کتب خانوں میں وسیع پیمانے پر تقسیم کیا گیا۔اس کو پہلی بار Bibliander Theadur نے Swiss شہر Basle سے چار صدیوں بعد 1543ء میں شائع کیا۔ یورپ کی چھ زندہ زبانوں کے تراجم قرآن اسی لاطینی ترجمۂ قرآن کی کوکھ سے پیدا ہوئے ہیں۔فرانسیسی، روسی، ہالینڈی، اطالوی، جرمن اور انگریزی تراجم قرآن دیر کلونی کے ترجمہ سے ہی مستفاد ہیں۔اس پہلے مغربی ترجمۂ قرآن میں مترجمین نے نصوص قرآنیہ کے تعلق سے اس قدر آزادانہ تصرف کیا ہے کہ یہ ترجمہ نہ ہو کر افسانہ بن گیا ہے۔ دراصل اس ترجمہ کے اغراض و مقاصد خالص مناظرانہ تھے۔ اس کا محرک اسلام کے عیوب و نقائص کی نشان دہی تھی۔۲۱؎ اس کی وضاحت نہ صرف اس ترجمہ کے عنوان ’’جھوٹے نبی Mahumet کا قانون‘‘ سے ہو جاتی ہے، بلکہ Peter خود صراحت کے ساتھ اس کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے کہ کفر و بدعات سے بھرے اس پرفتن دور میں ’’جملہ بدعات و خرافات کی آماج گاہ‘‘ کا جواب دیا جانا چاہئے۔ اگر چہ یہ ترجمہ اس (قرآن) کے فوری خطرہ کے تدارک کے طور پر نہ ہو تو بھی کم سے کم اس کے حتمی خطرہ کے پیش نظر تو ہونا ہی چاہئے‘‘۔۲۲؎ اس نے اس ترجمہ کے حاشیہ میں قرآن کے لیے ’حماقت، پاگل پن، جھوٹ اور ضعیف الاعتقادی‘ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔۲۳؎

۱۷۳۴ء میں پہلی بار براہ راست عربی سے انگریزی میں قرآن مجید کا ترجمہ

جارج سیل نے کیا۔ یہ ترجمہ بھی مشنری ضروریات کی تکمیل کے پیش نظر کیا گیا تھا۔ سیل دیرکلونی کے لاطینی ترجمۂ قرآن کے بارے میں لکھتا ہے: ''قرآن کے لاطینی ترجمہ کے نام پر جو کچھ شائع ہوا تھا وہ ترجمہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ حذف واضافہ دونوں طرح کی بے شمار غلطیوں اور ترجمہ میں غیر ذمہ دارانہ تصرفات نے اصل ونقل میں بمشکل ہی کوئی وجہ مشابہت باقی رکھی ہے۔''[۲۴] John of Segovia کے مطابق'' نصوص قرآنیہ میں لاطینیوں کی آراء وافکار کو داخل کردیا گیا ہے اور ایسے الفاظ واصطلاحات کا استعمال کیا گیا ہے جو نصرانیت کے موافق ومناسب حال تو ہیں، مگر اسلام کے خلاف اور اس کی روح سے متصادم ہیں۔'' John Fueck کے مطابق" یہ ترجمۂ قرآن بنیادی غلطیوں سے پُر ہے۔ ترجمہ نگاری میں امانت داری کا ثبوت نہیں دیا گیا ہے، کیوں کہ بہت سے الفاظ کے ترجمہ سے تغافل برتا گیا ہے۔ سیاق کلام کا لحاظ بھی نہیں کیا گیا ہے۔ اسالیب قرآنی کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی ہے۔ آیات کے فکری مضمون کی ادائیگی پر زور صرف کیا گیا ہے، گویا تحریف کے ذریعہ اصل ونقل کے تعلق کو ختم کردیا گیا ہے۔''[۲۵] ظاہر ہے، اس سے مستفاد ومستعار تراجم کا حال بھی کچھ مختلف نہیں ہوگا۔ اسلام کے مصدر اول کے ساتھ مغرب نے اس طرح کا غیر علمی، غیر ذمہ دارانہ اور متعصّبانہ رویہ اختیار کیا ہے۔

پیٹر Peter اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف من گھڑت اور مناظرانہ مواد کی تخلیق کا روح رواں تھا۔ وہ دیر Cluny کا صدر راہب تھا۔ اسی نے اسپین میں ۱۱۴۲ء میں Toledan Collection نامی پروجیکٹ اسپانسر کیا، جس کی تخلیقات بشمول ترجمۂ قرآن صدیوں تک مغرب میں مطالعۂ اسلام کا بنیادی مأخذ رہیں۔ اس نے خود مناظرانہ قسم کی کتابیں لکھیں۔ اس کی کتاب Summa کے مطابق محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) دنیاوی معاملات میں بہت سرگرم تھا اور حد درجہ چالاک بھی، اس لیے اس نے پست خاندان میں پیدا ہونے اور غربت وافلاس کا شکار ہونے کے باوجود دولت وشہرت کے اعلیٰ مقام تک ترقی حاصل کرلی۔ یہ سفر اس نے بتدریج طے کیا۔ اس دوران بارہا اپنے احباب اور بالخصوص خونی رشتہ داروں پر حملے، ڈاکہ زنی اور یلغار کرتا رہا۔ موقع ومحل

کے لحاظ سے انھیں کبھی خفیہ تو کبھی سر عام موت کے گھاٹ اتارتا رہا، اس طرح سے اپنے نام کی دہشت کا ڈنکا بجایا۔ ان مقابلہ آرائیوں میں بارہا سر بلند ہونے پر اس کے اندر اپنے لوگوں کا بادشاہ بننے کی خواہش چٹکی لینے لگی، مگر اس نے جب پایا کہ ہر کوئی اس کا مخالف ہے اور ادنیٰ طبقہ سے ہونے کی وجہ سے اسے مسترد کر دیتا ہے تو اسے محسوس ہوا کہ وہ بزور شمشیر اپنی خواہشوں کا محل تعمیر نہیں کر سکتا، لہٰذا مذہب کا چغہ زیب تن کر لیا اور 'نبی مرسل' کے نام پر بادشاہ بننے کی کوشش کی۔ گردش زمانہ کے ساتھ اس کے لوگوں نے اس کی خواہش کے مطابق اسے اپنا بادشاہ بنا دیا۔ اس نے خیر و شر اور حق و باطل کو خلط ملط کر کے گم راہی کو فروغ دیا اور ایک ایسی شیطانی فصل (یعنی مسلمان) اگائی جسے جہنم کی ابدی دہکتی ہوئی آگ کا ایندھن بن جانا ہے۔

مردو وملعون پیٹر آپؐ کے لیے 'شیطان' کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اس کے مطابق آپؐ کا خاص ہدف بس یہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کو کسی صورت خدا کا بیٹا، حقیقی خدا اور نسل انسانی کا نجات دہندہ نہ تسلیم کیا جائے۔ وہ آپؐ کے آسیب زدہ اور مرگی کا شکار ہونے کا بھی قائل ہے۔ وہ آپؐ کو ایک نسل یعنی مسلمانوں کے دائمی عذاب جہنم کا خدائی وسیلہ و ذریعہ قرار دیتا ہے۔ (نعوذ باللہ)

اپنی ایک دوسری کتاب Liber Contra Sectem Sive Haeresim Saracenorum میں وہ اسلام میں سرایت کردہ جھوٹ پر مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے اور انھیں حلقہ بہ گوش عیسائیت ہو جانے کی تلقین کرتا ہے۔ اس کا ماننا ہے کہ اس لاطینی کتاب کا ایک بار عربی میں ترجمہ ہو جانے پر سارے مسلمان عیسائیت کی حقانیت کے قائل ہو جائیں گے۔ اس کتاب میں مردود پیٹر نے پیغمبر اسلام ﷺ کی ساکھ کو مجروح کرنے کے لیے جو اہم استدلال پیش کیے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپؐ شان پیغمبری سے محروم ہیں (اس بد بخت کو کیا معلوم کہ آپؐ امام الانبیاء اور ورفعنا لک ذکرک کے منصب عظیم پر فائز ہیں) وہ لکھتا ہے کہ آپؐ نے بارہا خود کو خدا کا پیغمبر بتایا، مگر ایک بھی چیز پیغمبرانہ قسم کی پیش نہیں کی۔ عیسائی اپنے پیغمبروں پر اس وجہ سے ایمان نہیں لاتے کہ خود

انھوں نے ایسا کہا ہے، بلکہ ان کی رسالتوں کا اثبات منہ بولتی نشانیوں، واضح معجزات اور ہر قسم کے شکوک وشبہات سے پاک ان کی تعلیمات کے اثرات سے ہوتا ہے۔

Kritzek نے پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں پیٹر کی تحریروں کے اہم نکات کا خلاصہ درج ذیل نکات میں پیش کیا ہے:

۱۔قرآن میں مسلمانوں کو اناجیل کے منزل من اللہ تسلیم کرنے کے لیے مجبور کیا گیا ہے۔

۲۔قرآن اور بائبل میں تضادات ہونے کی وجہ سے کسی ایک کو لازماً ترک کرنا ہی ہے۔

۳۔قرآن کی تکذیب کے بغیر بائبل کو ترک نہیں کیا جاسکتا، جب کہ اس کے برعکس معاملہ ممکن ہے۔

۴۔ بائبل اور خود قرآن سے یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ قرآن وحی الٰہی سے معنون نہیں ہے۔حضرت محمد ﷺ، کسی بھی روایتی سامی تعریف کے مطابق، نبی برحق نہیں ہیں۔[۲۶]

Raymon Liull (1232-1315) نے اسلام اور مسلمانوں کی ساکھ کو مجروح کرنے کی ایک نئی حکمت عملی پیش کی۔ اس نے 1312 ء میں Council of Vienne کے موقع پر یہ تجویز رکھی کہ مشرقی زبانوں اور تاریخ وعقائد کے مطالعہ کے لیے Bologna, Oxford, Paris اور Salamanca جیسے شہروں میں عربی، یونانی، عبرانی اور شامی کے اسکول کھولے جائیں۔ اس کا مطالبہ Roger Bacon اور دیگر راہب 1250 سے گلا پھاڑ پھاڑ کر کر رہے تھے۔ بہر حال Liull کے کوششوں سے اس کو نسل میں مغربی کلیسا کی سرکاری پالیسی میں ان اسکولوں کے قائم کرنے کا اعلان ہوا۔[۲۷]

گیارہویں صدی کے دوران یوروپ میں بڑی تعداد میں جاگیردارانہ حکومتیں قائم تھیں۔ انھوں نے پڑوسی ممالک اور سلطنتوں سے مل کر خارجہ و سیاسی حکومتی پالیسیاں بنائیں اور انھیں فروغ دینا شروع کردیا۔ نتیجے کے طور پر اقتصادی انقلاب کی لَو تیز ہونے لگی اور عامۃ الناس کی دولت میں اضافہ ہونے لگا۔ یہود نے جب اس پہلو کو بھانپ لیا تو وہ دیار مشرق سے نکل کر یورپ کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ وہاں انھوں نے بینکوں اور سودی نظام کو قائم کرکے اقتصادیات کا نظام درہم برہم کر ڈالا۔ اسی طرح دینی

معاملات میں بھی فساد پیدا کر کے اہل یورپ کے رگ و پے میں سرایت کر گئے۔

ساتویں صدی میں اسلامی فتوحات کا دائرہ تیزی سے وسیع ہوتا جارہا تھا اور اسلام کی توسیع سے یورپ دم بخود تھا۔اہل یورپ فکرمند تھے کہ اسلام کے سیل رواں کو کیسے روکا جائے۔ترقیٔ اسلام اور نصاریٰ کے پاس دولت کے ارتکاز سے یہود کے پیٹ میں مروڑ ہونے لگا۔انھوں نے اسلام اور نصرانیت کے مابین بلا وجہ دشمنی کا بیج بودیا اور سرزمین مقدس ،مسیحی زائرین کی حمایت اور مسلمانوں سے مقامات مقدسہ کو چھین لینے کے نام پر فریقین کو صلیبی جنگوں کی بھٹّی میں جھونک دیا۔یورپ کو سودی نظام پر ابھارا۔مسلمانوں کے خلاف ان کے کان بھرے اور چرچ کو بیدار کرنے میں اپنا اہم رول ادا کیا ،جس کی دعوت پر پورا یورپ مسلمانوں پر ٹڈّی دل کی طرح ہر طرف سے ٹوٹ پڑا۔ پوپ اور بان Urban ثانی کا زہر آلود اور مشتعل خطاب انہی کی کوششوں کا شاخسانہ ہے، لہٰذا ان کی حقیقت سے پردہ اٹھنے پر انھیں انگلستان سے 1290ء ،فرانس سے 1306ء، ہنگری سے 1360ء، بلجیم سے 1370ء، چیکوسلواکیہ سے 1380ء، آسٹریا سے 1420ء، ہالینڈ سے 1444ء، اٹلی سے 1540ء اور جرمنی سے 1551ء میں جلاوطن کردیا گیا۔[۲۸]

نارمن ادب نہ تو محض فرانسیسی ادب ہے نہ انگریزی ادب، بلکہ ایسا ادب ہے جس میں لاطینی وفرانسیسی ادبی ورثے کے ساتھ Anglo-Saxon تہذیب کی بعض خصوصیات کا بھی حسین امتزاج ہے۔اسی لیے اس ادب کو Anglo-Norman ادب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ادب (1154-1189) King Herry II کے دور میں اپنے بام عروج کو پہنچا اور (1343-1400) Chaucer کے ظہور پر اختتام پزیر ہوا۔

ایک زمانہ گزر جانے پر نارمن قوم نے انگریزی اور انگریز قوم نے فرانسیسی زبان سیکھنا شروع کیا، جس کے نتیجہ میں دوصدیوں کے بعد ایک بار مزید انگریزی ادب کے ظہور کا راستہ ہموار ہو سکا۔ اس دور کے ادب میں کثرت سے فرانسیسی الفاظ و اصطلاحات کا استعمال کیا جانے لگا۔ اسی طرح نارمن کے طفیل میں بہت سے لاطینی الفاظ بھی انگریزی زبان وادب میں شامل ہوگئے، جس کی وجہ سے انگریزی زبان کے

شاعراول (چاسر) کا ظہور ممکن ہوسکا۔

اس دور کا مذہبی ادب مسیحیت، تبلیغ مسیحیت، حقیقت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ کے موضوعات پر مرکوز تھا۔ بارہویں صدی کے اختتام پر مذہبی شاعری کی ضرورت کو زیادہ محسوس کیا جانے لگا اور یہ کیفیت چودہویں صدی عیسوی کے وسط تک باقی رہی۔ اس دوران مذہبی ادبیات کا پورا دفتر فرانسیسی اور لاطینی تراجم سے عبارت تھا۔ راہب Orm کی نظم (Orumulum (1200 اس قسم کی شاعری کی بہترین مثال ہے۔ (Moral Ode (1170 کو نصاریٰ کے حوالے سے مقدس ترین مختصر نظم شمار کیا جاتا ہے۔ نثری دینی ادب میں Ancrene Riwle کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے، جو مسیحی تعلیمات اور وعظ ونصیحت کا مجموعہ ہے۔[۲۹]

John Wycliffe (م۱۳۸۴ء) اپنی بعد کی تقریباً جملہ تحریروں میں اسلام کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور لکھتا رہا، حالاں کہ اپنے معاصرین کی طرح وہ بھی اسلام کے بارے میں سطحی معلومات رکھتا تھا۔ اس کے بقول اسلام و مغربی کلیسا کی نمایاں خصوصیات یکساں ومشترک ہیں، جوکہ تکبر، حرص، طاقت وقوت کی خواہش، تشدّد اور اوامر الٰہیہ کے مقابلے میں انسانی اختراع کی ترجیحات پر مشتمل ہیں۔ مغربی کلیسا کو وہ بحیثیت مجموع Western Mahomets کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ اس کے مطابق پُراسرار انداز میں ظہور اسلام کا سبب کلیسا کی برائیاں ہیں۔ کلیسا کے پادریوں کے فقر مسیح اور اصل عیسائیت کی طرف لوٹنے تک یہ مذہب اسلام پھلتا پھولتا رہے گا۔ Mahomet نے اپنے مطلب کی باتیں عہد نامہ قدیم و جدید سے منتخب کرلیں۔ کلیسا کے ٹھیکے داروں نے بھی بالکل یہی رویہ اپنایا تھا۔ Mahomet نے ان قوانین میں اپنی من مانی ایجادات کا اضافہ کردیا۔ اس سلسلے میں جو سب سے بری چیز ہوئی اور جو اس کی کام یابی کا راز بھی ہے، یہ تھی کہ 'Mahomet' جسے احساس تھا کہ عقل اس کی راہ میں حائل ہے، اس نے اپنی شریعت پر بحث ومباحثہ ہی کو ممنوع قرار دے دیا۔ Pius نے بھی اسی طرح کی عقلی بنیادوں پر شریعت اسلامیہ کی معقولیت سے انکار کیا ہے[۳۰]

اس دور کا ایک امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں پہلی بار ڈرامائی ادب کے فن کا ظہور ہوا اور بعض ادبی ڈرامے منظر عام پر آئے۔نویں صدی کے اختتام پر اس ادبی صنف کے اولین نقوش ملتے ہیں۔اس کی ابتدا Good Friday, Easter، میلادِ مسیحؑ ،جشن واپسیِ مسیح کی محفلوں وتقریبات کے مکالموں اور ادبی کتابوں کے ڈرامائی مکالموں (Dialogues) سے ہوئی ۔ یہ انداز نارمن حملوں تک جاری رہا۔ نارمنوں ہی نے حقیقتاً فن ڈرامہ کو مذہبی ڈرامہ کے نام سے انگریزی ادب میں شامل کیا۔ یہ ڈرامے مسیحیت کی بنیادوں پر قائم ہیں، مثلاً پوپ اربن ثانی نے 1264 عیسوی میں Body of Christ نامی مذہبی ڈرامہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ ڈرامہ 1311 عیسوی تک مقبول عام رہا۔ان ڈراموں کا مقصد لوگوں کو نصرانیت سے واقف کرانا اور امورِ دنیا کی تعلیم دینا تھا۔ڈرامہ کو ایک مذہبی ادارہ کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔اس دور میں ڈرامہ کی درج ذیل تین قسمیں رائج تھیں:

1- Morality: اس قسم کے ڈرامے عموماً تعلیم یافتہ اور مہذب طبقہ کے لیے قلم بند کیے جاتے تھے۔ان کا ہدف لوگوں کو ان کے حقوق وفرائض اور اخلاقیات کا درس دینا ہوتا تھا۔

2- Miracles :-انبیاء و رسل اور راہبوں و پادریوں کے معجزات کے بیان پر مشتمل ہوتے تھے۔

3- Mystery :-ان کا موضوع اسرار دین وشریعت ہوتے تھے۔

Saracen (شرقیین) کا لفظ ابتدا میں عرب اور مشرق کے صحرائی باشندوں کے لیے بولا جاتا تھا، لیکن ظہور اسلام اور انحائے عالم میں مسلمانوں کے منتشر ہوجانے کے بعد نارمن دور میں یہ لفظ مسلمانوں کے لیے عمومی طور پر استعمال ہونے لگا۔اس دور کے شعری و ڈرامائی ادب میں Saracens کی تصویر کشی کفر والحاد کے نمائندہ کے طور پر کی جاتی تھی۔اسی طرح اس دور کے ادباء اس لفظ کو شمالی یورپ کے بت پرستوں، شاہان روم اور ہر اس انسان کے لیے استعمال کرتے تھے، جو انجیل یا تورات کی کہانیوں میں عبرانیوں کے مخالف ہوتا تھا۔Charlemagne اور اس کے ہم سرجن Saracens کے ساتھ ابدی لڑائی میں سرگرداں ہیں وہ تاریخ میں اسپین کے مسلمان ہیں جو

Mahoun یاMahomet کو رسول نہیں مانتے تھے، بلکہ الٰہ کے طور پر اس کی عبادت کرتے تھے۔ Saracens کے دوسرے خدا بھی تھے Apollo, Termagaunt, Mars, Juno, Jupiter, Astrate, Margot, Plato حتیٰ کہ قرآن کو بھی خدا کا درجہ حاصل تھا۔ سونے چاندی سے ان کے بت بنائے جاتے تھے اور لعل و یاقوت سے انھیں مزیّن اور ملمّع کیا جاتا تھا۔ مختلف قسم کی رسوم کی ادائیگی کے ساتھ ان کی پوجا ارچنا کی جاتی تھی۔ جنگوں سے پہلے ان سے استعانت طلب کی جاتی تھی۔ جنگی پرچموں، فوجی سپہ سالاروں کے شامیانوں اور مجاہدین کی ڈھالوں پر بھی Mahomet خدا کی تصویر نقش ہوتی تھی، شکست سے دوچار ہونے پر ان کو برا بھلا کہا جاتا تھا، ان کی تحقیر کی جاتی تھی، دھول مٹی میں گھسیٹا جاتا تھا اور انھیں ٹکڑے ٹکڑے کردیا جاتا تھا۔ شکست ہی Saracens کا عام طور سے مقدّر ہوتی تھی۔ Saracen کی فتح کی صرف ایک مثال ملتی ہے۔ Sowdone of Babylone نامی رومانی داستان میں سلطان نے جب روم پر قبضہ کیا تو Saracens نے اپنے خداؤں کے حضور لوبان جلایا، پیتل کا سنکھ بجایا، وحشی جانوروں کا خون پیا ، دودھ اور شہد کی دعوتیں اڑائیں۔ Saracens عام طور سے 'مہامیٹ کی قسم' اور 'مہاون کی قسم' کا استعمال کرتے ہیں۔ کبھی کبھی 'جہاں پناہ مہاون' کے ذریعہ قسم کھاتے ہیں، بارہا Saint Mahoun کا استعمال کرتے ہیں۔[۳۲]

The Digby Mysteries کا ایک مجموعہ Miracle Plays ہے۔ اس کے ایک ڈرامہ Mary Magdalene کے تحفظ و بقا پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اس کا موضوع راہبہ Mary کا قصہ اور اس کی مسیحیت کے زیر سایہ گزری طویل زندگی ہے۔ اس ڈرامہ میں رسول ﷺ کی شخصیت کو مسلمانوں کے الٰہ و معبود کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کو صرف شرقیین کا ہی الٰہ نہیں بتایا گیا ہے، بلکہ روم و ایران اور فراعنہ وغیرہ دوسری قوموں کا بھی الٰہ کہا گیا ہے، کیوں کہ Caesar Augustus ,pharaoh اور Herod بھی Mahomet کی عبادت کرتے تھے۔ اسی ڈرامے میں Mahownd معبود کے لیے ایک خصوصی دینی محفل کا منظر ہے، جس میں Marcylle

(Marseiles) کا بادشاہ سبھی معبودوں / دیوتاؤں کے سامنے قربانی پیش کرنے کا حکم دیتا ہے۔ دریں اثنا بادشاہ کی ملکہ اس سے Mahownd معبود کے لیے کسی خصوصی پیش کش کا مطالبہ کرتی ہے، تا کہ معبود Mahound کا بقیہ معبودوں سے امتیاز برقرار رہ سکے۔ تقریب سے پہلے راہب مقدس تبرکات اور Mahoun کی گردن کی ہڈی اور پلک کی نمائش کرتا ہے، تا کہ مجمع ان کا بوسہ لے سکے۔۳۳

تقریب کے دوران جب بادشاہ اپنی اور اپنی ملکہ کی جانب سے سونے کے سکّوں کا نذرانہ پیش کرتا ہے تو وہاں موجود سارے ہی لوگ Sentt Mahownde کے حضور تعظیماً جھک جاتے ہیں اور بادشاہ Mahownde سے اپنی روح کی حفاظت کے لیے دعا کرتا ہے۔

Mahownd, pow art of mytes most,
in my Syth a gloryus gost ;
Pau comfortyst me in contre and cost
with pi wesdom and pi wytt;
For truly, Lord, in pi is my trost.
Good Lord, lett natt my sowle be lost!
All my counsell you wotst.(34)

اکثر رومانی داستانوں میں جہاں عیسائی اور مسلمان (Saracens) ٹکراتے تھے، مسلمان کو یا تو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا ی، اوہ عیسائیت قبول کر لیتے تھے۔ اس ڈرامہ میں بھی بادشاہ بالآخر Mary کے ہاتھوں عیسائیت قبول کر لیتا ہے۔ اپنے عبادت خانہ (مسجد) کو مسمار کر ڈالتا ہے اور عیسائی گرجا کی تعمیر کا وعدہ کرتا ہے اور یہ بھی وعدہ کرتا ہے کہ اپنی رعایا کو آئندہ حلقہ بگوش عیسائیت ہو جانے کی تلقین کرے گا اور خود کو مکمل طور پر عیسیٰؑ کے لیے وقف کر دے گا۔۳۵

پروفیسر نبیل مطر نے اسے اس وقت کے انگریز اور عیسائیوں کے مشرف بہ اسلام ہونے کی ابھرتی لہر کے خلاف ڈرامہ نویسوں اور شعراء کی حکمت عملی قرار دیا ہے۔۳۶ اپنی تخلیقات میں اسلام اور مسلمانوں کو ہدف تنقید بنانے کے بجائے وہ اکثر کسی مرتد و غدّار

مذہب کی من گھڑت داستان پیش کرتے اور دکھاتے کہ کیسا بھیانک عذاب جہنم اس کا منتظر ہے۔ بعد ازاں وہ روحانی انقلاب سے دوچار ہوتا اور دوبارہ عیسائیت قبول کر لیتا ہے۔

محمدﷺ کی ذات مبارک سے متعلق اس ڈرامہ میں خوب جھوٹ گھڑا گیا ہے اور غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ مثلاً Herod نامی بادشاہ کو، جو کہ آپؐ کی ولادت باسعادت سے 575 سال پہلے موت کی نیند سو چکا تھا، اپنے بستر مرگ پر Mahound سے دعا کرتے دکھایا گیا ہے۔ "My Lord Mahound I pray the hert enteer" اس اقتباس میں Christ کو مضحکہ خیز طور پر Mahound سے بدل دیا گیا ہے، جو کہ آپؐ کی تضحیک وتمسخر واستہزا کے لیے ازمنۂ وسطیٰ کے عیسائیوں کے ذریعہ وضع کردہ بہت سے الفاظ میں سے ایک ہے۔ Crucification Scene میں تو اس سے بھی حیرت انگیز منظر ملتا ہے، جہاں حضرت عیسیٰؑ کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے خلاف تلخ کلامی کرتے ہوئے پیش کیا گیا ہے۔[۳۷]

"Weh! Hark Sir Knights,for(by) Mahound's blood

of Adam's kind is all this thought."

اس ڈرامہ کے ایک دوسرے منظر میں Mary ایک معبد کی زیارت کرنے آتی ہے، جس میں Mahound کا مجسمہ ہے۔ بادشاہ جب مجسمہ کو حکم دیتا ہے کہ وہ میری سے ہم کلام ہو تو مجسمہ کچھ نہیں بول پاتا۔ وہ حرکت کرنے پر بھی قادر نہ ہوسکا۔ Mary بادشاہ سلامت سے اجازت لے کر اپنے خدا Mahound سے دعا کرتی ہے کہ وہ کوئی کرشمہ کر دکھائے، مگر Mahound ہلنے اور کانپنے (Tremyll and quake) لگتا ہے۔[۳۸] ڈرامہ میں نبی کریمﷺ کے لیے لفظ Mahound کا استعمال کیا گیا ہے، یعنی شیطان (نعوذ باللہ)۔

King Horn تیرہویں صدی کے آخر میں لکھی گئی 1545 سطروں پر مشتمل ایک مثنوی ہے۔ King Horn جزیرہ Isle of Man کے بادشاہ Murray کا فرزند ہے۔ یہ مثنوی اجمالی طور پر کسی اسلام و مسلمان دشمن کی تصویر ہے، جس کی بنیاد صلیبی فوجوں کی کذب بیانی پر قائم ہے۔ اس کے اندر یہ تصویر پیش کی گئی ہے کہ مسلمانوں کی

ایک جماعت نے Isle of Man پر وحشیانہ حملہ کردیا، Horn اور بعض دیگر حضرات کو قید کرلیا، بہتوں کو تہہ تیغ کرڈالا، وہاں لوٹ پاٹ مچایا اور فساد برپا کیا، عورتوں اور بچوں کو ہانک لے گئے، ان پر وحشیانہ مظالم کے پہاڑ توڑے، وہ کمینہ، رزیل اور اوباش ہیں۔ اس کے برعکس انگریز شریف و بااخلاق ہیں۔ Athulf اور Fekenhild بہادر شہ سوار انگریزوں کے نمائندہ ہیں۔ انھوں نے Horn و دیگر قیدیوں کی رہائی میں غیر معمولی شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کیا۔ ان کا جب مسلمانوں کے سردار سے لڑائی کے میدان میں سامنا ہوا تو وہ بزدل ثابت ہوا، لہٰذا انھوں نے اسے قتل کرڈالا۔[۳۹]

آئندہ سطور میں اطالوی ادب کا جائزہ لیا جائے گا کہ اس میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں کیا باتیں کہی گئی ہیں۔ اس دور کے اطالوی ادب میں بالعموم اور دو شعراء (1304-74) Petrarch اور (1265-1321) Dante نے بالخصوص روش عام ہی کی پیروی کی ہے اور دیگر ہم عصر ادباء وشعراء کی ہی ڈگڈگی بجائی ہے۔

Petrach انگریزی نشاۃ ثانیہ کا مقبول ترین اطالوی شاعر ہے۔ 1341ء میں اسے روم میں ملک الشعراء کا تاج پہنایا گیا، جو اس کی زندگی کا سب سے زیادہ یادگار واقعہ ہے۔ تاریخ ادبیات میں اسے اطالوی بشر دوست ادب کا بانی اور لاطینی و یونانی ادب کے از سر نو مطالعہ کا محرک تصور کیا جاتا ہے۔[۴۰]

انگریزی ادب میں Sonnet کا تعارف اسی کے زیر اثر ہوا ہے۔ اس نے اپنی تحریروں میں پیغمبر اسلام ﷺ سے متعلق بڑا ہی تلخ اور سخت رویہ اپنایا ہے۔ آپؐ سے متعلق بحث کی ابتدا میں وہ آپؐ کا موازنہ یورپ کے ان شہزادوں سے کرتا ہے جو اپنے مردانہ چہروں کو زنانہ ذہنوں سے رسوا کرتے ہیں اور خیر وصلاح سے نفرت اور جستجوئے عیش وعشرت ہی بس ان کی سرگرمیوں کا محور ہوتا ہے۔ وہ محمد ﷺ کو ضرر رساں ضعیف الاعتقادی کا موسس اور جملہ اقسام کی فحش خواہش نفس کا محرک ٹھہراتا ہے۔ (نعوذ باللہ) آپؐ کو اکثر Joachim کے سات سروں میں سے ایک کے طور پر پیش کیا جاتا تھا، جو قوتِ شر کے ساتھ عیسائیت کے تاریخی ایذاء دہندہ کا نمائندہ ہوا کرتا تھا۔ پیغمبر اسلام

ﷺ کو لوگوں کو گم راہ کرنے والا تصور کیا جاتا تھا، جس نے ان سے نفسانی مسرت کا وعدہ کیا تھا، اگر وہ اس کے فرقے کی پیروی کرنے لگیں۔

Petrarch نے ایہام گوئی سے بھی کام لیا ہے۔ وہ Mecca کے بدلے لاطینی لفظ Mechus کا استعمال کرتا ہے جس کے معنی ہیں 'بدکاری'۔ اس طرح وہ آپؐ کو (نعوذ باللہ) بدکار و عیاش اور اسلام کے مقدس ترین مقام کو شہر بدکاری بنا ڈالتا ہے۔

اس دور کے ملک الشعراء کی مذکورہ یاوہ گوئی اور کذب بیانی کے بعد عظیم عالمی ادبیات میں شمار کیے جانے والے دانتے کی Divine Comedia یعنی طربیہ خداوندی کا مطالعہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہ اٹلی کا مشہور شاعر ہے۔ ازمنۂ وسطیٰ اور یورپ کی نشأۃ ثانیہ کے مابین وہ پل کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ نہ صرف اٹلی کی نشأۃ کا جدّ امجد ہے، بلکہ یوروپ میں نشأۃ ثانیہ کا پیام بر بھی ہے۔ Divine Comedia کی تدوین میں دانتے نے آں حضور ﷺ کی احادیثِ معراج سے استفادہ کیا ہے، جس کے ثبوت میڈریڈ یونی ورسٹی میں شعبہ عربی کے استاذ Placious نے پچیس سالہ تحقیق کے بعد فراہم کر دیے ہیں۔ .Southern,R.W نے بھی Western Views of Islam کے صفحہ پچپن پر اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ دانتے نے ابن العربی کی فتوحات مکیہ اور اور المعری کی رسالۃ الغفر ان سے بھی کسب فیض کیا تھا۔

دانتے نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی جو گھناونی تصویر پیش کی ہے اس کے بارے میں Dorothee Metlitzki کے الفاظ یہ ہیں: ''محمد مصطفیٰ ﷺ کی بھیانک حد تک مثلہ کی گئی تصویر کو دانتے نے میدان جنگ میں بدنما لاشوں کے گم نام ڈھیر کے سب سے اوپر رکھا ہے اور وہ کفر والحاد اور نظریاتی اختلاف کے تعلق سے متنبہ کر رہی ہے۔ اپنے جملہ معاصرین کی طرح دانتے بھی حضرت محمد ﷺ کو بانی مذہب اسلام تصور نہیں کرتا تھا، بلکہ ملحدانہ کش مکش کا محرک و موجب ٹھہراتا تھا۔

عبد الستار مل اللہ نے اس پر مزید تفصیل سے بحث کی ہے کہ Divine Comedia میں دانتے نے پیغمبر اسلام ﷺ کو جہنم (Inferno) کے بدبختوں میں

پست درجہ بتایا ہے۔ (یہ نظم تین حصوں: عرفات 'Purgatory' جہنم 'Inferno'، اور فردوس 'Paradiso' پر مشتمل ہے اور ہر حصے میں تینتیس ابواب ہیں) دانتے نے حضرت محمد ﷺ کا ذکر اٹھائیسویں باب میں کیا ہے۔ جہنم کے نو حصوں میں سے رحمت عالم ﷺ کو آٹھویں میں رکھا گیا ہے۔ اس طرح حضرت محمد ﷺ تک پہنچنے سے قبل دانتے ان دائروں سے گزرتا ہے جن میں کم تر درجہ کے گنہگار مبتلائے عذاب ہیں، مثلاً شہوت پرست، حریص، پرخور، بدعتی، غصہ کرنے والے، خودکشی کرنے والے اور کفر بکنے والے وغیرہ۔ دانتے نے حضرت محمد ﷺ اور حضرت علیؓ کو اختلاف ونزاع کا بیج بونے والوں میں شامل کیا ہے، جن کا مقدّر یہ ہے کہ وہ اپنے اجسام کو چیروائیں اور جیسے ہی زخم بھر جائے، پھر ان کے بدن کو چیر پھاڑ ڈالا جائے۔

Frederik Quinn کے مطابق آٹھواں دائرہ، Scandalo رسوائی کا بیج بونے والوں اور (Scisma) پھوٹ ڈالنے والوں کے لیے مخصوص ہے۔ یہ دونوں اپنے اندر دینیاتی معنیٰ رکھتے ہیں۔ Scisma یونانی اصل Skisma سے مشتق ہے، جس کا مفہوم ہے دراڑ، شگاف اور تقسیم۔ Scisma کسی گروہ عیسائیت کا عیسائی رہتے ہوئے کلیسا سے علیٰحدگی کا نام ہے، جب کہ Scandalo کا مفہوم ٹھوکر کا پتھر یا رکاوٹ ہوتا ہے۔ اس کے دو خاص معنی ہیں: (۱) کسی مذہبی شخص کے غیر مناسب رویہ سے مذہب کی ہونے والی بدنامی ورسوائی۔ (۲) ایسا طرز عمل جو کسی اور شخص کے اندر ایمان وعقیدہ اور مذہبی اطاعت شعاری کی فروگذاشت کا موجب ہو، یا اس کی حوصلہ افزائی کرے۔

Minou Reeves کے بقول ''دانتے نے Divine Comedia اس وقت لکھنا شروع کیا جب مسلمانوں نے آخری صلیبیوں کے قلعہ 'عکرہ' کو دوبارہ فتح کر لیا اور صلیبیوں کو اس علاقہ سے کھدیڑ دیا تھا۔ جہنم میں حضرت محمد ﷺ کی بدنما تصویر کشی کے وقت دانتے کے ذہن میں ان جنگوں کی تصویریں اور یادیں تازہ تھیں۔ اس کی نظر میں محمد عربی ﷺ کا جرم یہ تھا کہ آپؐ نے دین باطل کی تبلیغ کی اور وحی الٰہی کا اعلان کر کے مذہب عیسائیت کی منسوخی کا دعویٰ کر دیا، جب کہ یہ دین باطل ایک فریب کے سوا کچھ نہ

تھا، جو دنیا میں صرف اختلافات کے بیج بو سکتا تھا''۔[۴۱]

The Vision of کی نظم William Langaland (1332-1400)

The greatest poem of the middle English کو piers plowman Alliterative Rerivals گردانا گیا ہے۔ صنعت تجنیس کی اس عظیم ترین نظم میں حضرت محمد ﷺ کو شر، باطل اور قوائے شیطانیہ کا نمائندہ تصور کرایا گیا ہے۔ آپ ؐ کو فریبی اور پاکھنڈی (نعوذ باللہ) بتایا گیا ہے۔ Langaland نے بھی اپنے پیش روں کی راہ پر گام زن ہو کر ہفوات، یاوہ گوئی اور کذب بیانی کا طومار باندھا ہے۔ وہ آپ ؐ کو بدروح گردان کر حوالۂ جہنم (نعوذ باللہ) کر دیتا ہے۔ لاحول ولا قوۃ، اسے اس بات پر بھی حیرت ہوتی ہے کہ کوئی قوم (مسلمان) اتنے لمبے عرصے تک کیسے Makometh پر اپنا ایمان برقرار رکھ سکتی ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کو عیسائی کافر، مرتد کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔[۴۲] گویا آپ ﷺ راہ حق سے منحرف، خطا کار، گنہگار اور دشمن مسیحؑ ہیں۔ نظم کے اٹھارہویں باب میں شاعر نے مسلمانوں کو بحث کا موضوع بنایا ہے اور لفظِ Sarrasyns کے استعمال پر زور دیا ہے اور یہ باور کرایا ہے کہ ان کے اخلاق، عادات و اطوار اور دین انھیں امن و سلامتی، الفت و محبت اور خیر و فلاح کی دعوت نہیں دیتے۔

اس نظم پر شاعر نے عرصۂ دراز 92-1363ء تک تقریباً تیس سال محنت کی تھی۔ 1290ء میں برطانیہ سے یہود کا ان کے جرائم کی پاداش میں اخراج ہوا تھا۔ 1290ء کے بعد کے انگریزی ادب میں یہود کی شرارت و خباثت پر بہت کچھ لکھا گیا تھا اور ان کا مکروہ چہرہ سب کے سامنے آچکا تھا۔ اس لیے اس شاعر کو مناسب لگا کہ یہود اور مسلمان کو ایک ہی ترازو میں تول دیا جائے۔ وہ لکھتا ہے:

Wher Sarrasyn ich syde seo not what is Charite?
Hit may by that Sarrasyns hauen a suche manere
Charite To that lord that hym lyf lente and lyflode
him sendeth Ac meny manere men there beoth as
Sarrasyns and Jews (43)

گویا شاعر کی نظر میں یہود اور مسلمان برابر ہیں۔ مسلمانوں کے یہاں ضعیف الاعتقادی اور قصے کہانیاں ملتی ہیں۔ انھوں نے دیگر اقوام وملل کو ضلالت وگم راہی کے قعر مذلت میں ڈھکیل دیا ہے۔ انھیں خیر وفلاح کے راستے سے منحرف کر دیا ہے۔ اس لیے شاعر کو لگتا ہے کہ لوگوں کو آپؐ کی ذات مبارکہ، تعلیمات اور مسلمانوں سے دور رہنا ضروری ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

Louyeth nat that Lord a ryght as by the legende Sanctoram,
And lyven oute of lee by- leyue. For the ileyue in mene.
A man thate hite Makamede. For Messye the ihym heolde.
And after hus lerynge the ilyen. and by lawe of kynde(44).

شاعر کے بقول شریعت اسلامیہ کی تعلیمات جھوٹ ، من گھڑت اور ناحق ہیں۔ اس لیے وہ ایسی شریعت لانے والے رسولﷺ کی نبوت کے انکار وتردید کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے پیش نظر وہ ایک قدیم عیسائی کہانی کو دہراتا ہے، جس میں دعوی کیا گیا ہے کہ مسلمان جسے اپنا مسیح تصور کرتے تھے وہ Makamed مرتد ہونے سے قبل ایک عیسائی راہب تھے۔ Langaland نے اس Fals Crystene یعنی (نعوذ باللہ) محمدﷺ کو Mede جیسے ام الخبائث کے مساوی قرار دیا ہے۔۴۵ وہ کہتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ رومی طبقۂ امراء کا ایک فرد کاردنال یعنی بطریق تھے اور Vetican کے پوپ کے مرتبہ پر فائز ہونا چاہتے تھے، مگر جب ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی تو جزیرۂ عرب بھاگ ہو گئے اور وہاں عیسائیت کے خلاف علَم بغاوت بلند کر دیا اور عربوں کے سامنے خود کو نبی کے طور پر پیش کر دیا۔ انھوں نے ایک فاختہ کو تربیت دے رکھی تھی، جو ان کے کانوں پر سے دانے چگتی تھی اور جس کو آپﷺ نے فرشتۂ وحی بتا کر اہل سیریا کو دھوکہ دیا اور اپنی نبوت و رسالت کا یقین دلایا۔۴۶ مندرجہ ذیل اقتباس میں اسی کی طرف شاعر نے اشارہ کیا ہے:

Men Fyndeth that Makamede was a man ycrystned
And a cardinal of court. a great clerk with -all
And porsuede to haue pope. pryns of holy churche,
And for he was lyke a lussheborgh. ich leyue oure Lod hyme lette

حضرت محمد ﷺ کے رومی بطریق ہونے کی روایت کا آغاز Dorothi Metlidzki کے بقول گیارہویں و بارہویں صدی کے فرنچ نحویوں کا کارنامہ ہے۔ خود Langaland کے زمانہ کی تخلیق میں بھی آپؐ کو اسی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ Jeanle کی Roman de Renant نامی ہجویہ تخلیق میں آپؐ کو سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اور ذہین ترین بطریق بتایا گیا ہے۔ بطور مقرر و خطیب آپ کی اس قدر شہرت تھی کہ آپؐ سے مشرق کے Saracens کو حلقہ بگوش عیسائیت کرنے کی درخواست کی گئی۔ پہلے پہل تو آپؐ نے انکار کیا، لیکن اگلا پوپ بنانے کا ان سے وعدہ کیا تو وہ تیار ہوگئے۔ انھوں نے جہاں جہاں خطاب کیا Saracens کا جم غفیر اُمڈ آیا اور دائرۂ عیسائیت میں داخل ہوگیا، مگر پاپائے روم کی وفات کے بعد طبقہ امراء نے وعدہ خلافی کردی اور کسی دوسرے کو پوپ منتخب کرلیا۔ چنانچہ محمد ﷺ جوش انتقام میں آکران لوگوں کو اسی راہ سے منحرف کرنے لگے جس کی خود انھوں نے دعوت دی تھی۔ اور اس طرح عیسائیت کی مخالفت کرنے لگا۔[۲۴]

اسی نظم (The Vision of Piers) میں ایک دوسرے مقام پر شاعر نے ہجرت پر بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ آپؐ نے شام کی جانب ہجرت فرمائی۔ یہاں Walter Skeat نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس دور کے انگلستان میں تاریخ محمد ﷺ وضاحت و کمال کے ساتھ معروف نہ تھی۔ Guibert of Nogent (1053-1125) اولین سیرت نگاروں میں شمار ہوتا ہے۔ اس نے صراحتاً یہ اعتراف کیا ہے کہ Mahomet کی اس نے جو سیرت لکھی ہے اس کے لیے اس کے پاس کوئی تحریری مأخذ نہیں تھا۔ (He had no written source for his account of Mahomet) وہ بڑے وثوق سے کہتا ہے: ''جس ہستی کی خباثت نا قابل بیان ہو

اس کی کسرِشان اور نکتہ چینی میں بلا خوف وخطر کچھ بھی کہا جاسکتا ہے‘‘۔۴۸؎ ("It is safe to speak evil of one whose malignity exceeds whatever ill can be spoken ") اسی طرح اس دور میں اسلام سے متعلق جو بحث و گفتگو ہے وہ بھی انگریزوں کی تاریخ اسلام سے عدم واقفیت کی بنا پر صحیح نہیں ہے۔Langaland کی یہ مجازی نظم دراصل عہد نامہ جدید کے مفہوم وشرح نصرانیت پر قائم ہے، جس میں یہود نے تحریف کرڈالی ہے۔ایسی صورت میں اسلام کی صحیح تصویر کشی کہاں ممکن ہے، بلکہ اسے ہر پہلو سے توڑ مڑوڑ کر پیش کیا گیا ہے۔Piers کو اس نظم میں حضرت مسیح علیہ السلام کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جس کو اللہ نے انسانوں کی نجات کے لیے بھیجا ہے۔ تاہم وہ آپؐ کے زور بیان ,تاثیر کلام,تسخیر قلوب اور سیاسی بصیرت کا معترف ہے۔ وہ اہل کلیسا کی بے بضاعتی اور نا اہلی پر برس پڑتا ہے اور آپؐ کے اسوہ کو اپنانے کی تلقین کرتا ہے‘‘۔۴۹؎

Anglo-Norman ادب کی اس بحث سے واضح ہوگیا ہے کہ اس دور میں اسلام اور مسلمان بالخصوص خاتم الانبیاءﷺ سے متعلق جملہ مواد کا ماخذ فرنچ، یہود ونصاری اور صلیبی افواج تھیں، جنھوں نے اسلام ,مسلمان اور پیغمبر اسلامﷺ سے متعلق بے بنیاد،غلط اور من گھڑت خبروں اور معلومات کو عام کیا اور ماحول کو خراب کیا۔

اس دور کے ادب میں اسلام کی اس طرح ترجمانی کی گئی ہے کہ وہ تعدّد ازواج کا قائل ہے، وہ شراب کو حرام قرار دیتا ہے، اختلاط مرد وزن کو غیر مباح ٹھہراتا ہے۔حضرت محمدﷺ نبی نہیں ہیں، بلکہ الٰہ ومعبود ہیں،ان کے سوا کوئی دوسرا رب نہیں ہے۔اسی طرح اس دور کے ادباء نے آپؐ کو روم وایران اور فراعنہ کے معبودانِ باطل کے زمرہ میں بھی رکھا ہے۔(نعوذ باللہ من ذلک)

حواشی ومراجع

1- Long. W.J, English literature ,A.I.T.B.S.publishers & distributors ,Delhi, 2002,Pg 46-47

2- (I)Tilak, Raghukul, History of English literature,Rajhans

Prakashan Mandir , Meerut-P- 2-3)

(II)یسین ،محمد، انگریزی ادب کی مختصر تاریخ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، طبع ۱۹۹۲، ص ۱۹

3- Ibid,P-3

4- Legouis,Emile,A short hisiory of English literature ,Calcutta,1983 Pg-18

5- Southern,R.W. Western views of Islam in the middle ages, P-3 6- Ibid,P-13

۷- وزّان، عدنان محمد عبدالعزیز، صورۃ الاسلام فی الادب الانجلیزی، ط۔ا، دار اشبیلیا، ریاض، ج اول، ص ۲۴۴ ۸-ایضاً ص ۲۴۵

9- (I)Kidwai, A.R.- The Crescent and The cross, 1997, P .-6.

(II) -Al -Olaqi ,Fahd Mohammed Taleb Saed, Image of The Messenger Muhammad (PBUH)In the English literature from early Middle Ages to Present,quarterly insights, Vol.02. Issue.4- 1431/2010, Da'wah Academy, International Islamic University ,Islamabad,Pakistan p-44-45

10- Southern,R.W. Western views of Islam in the middle ages, P-3

11- Fatima Abdullah and Che Amnah Bahari,Developing A Muslim Responce to The Western Criticism of the Prophet Muhammad (Pbuh)quarterly insights, Vol.02. Issue.4- 1431/2010, Da'wah Academy, International Islamic University ,Islamabad,Pakistan p-107

12- (I)Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature,Peter Lang, New Yark, 2018, P-2

(II) Kidwai, A.R.- The Crescent and The cross, 1997, P .-6.

13- Smith, Byron Porter, Islam in English literature,P-XII

۱۴- قدوائی، عبدالرحیم، استعماری فکر کی روایت انگریزی ادب کے تناظر میں، دانش آرٹس فیکلٹی جنرل مابعد نوآبادیاتی مطالعہ (خصوصی شمارہ،)علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ص ۲۶

15- Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature,Peter Lang, New Yark, 2018, P-3

16- Kidwai, A.R.- The Crescent and The cross, 1997, P.-6.

۱۷- شبلی، نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ، دارالمصنّفین، اعظم گڑھ، طبع ۱۹۹۶ء، ج۱، ص۵۶

۱۸- صورۃ الاسلام فی ادب الانجلیزی ج اول، ص۲۴۶

19- Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature,Peter Lang, New Yark, 2018, P-19

۲۰۔(۱)عبد المحسن، عبدالراضی محمد، ماذا یرید الغرب من القرآن؟ ریاض ط اول ۲۰۰۶ء، ص۱۹۔۱۸

(II) Smith, Byron Porter, Islam in English literature,P-XVII

(III) AL-Olaqi , P -52

(IV) Southern,R.W. Western views of Islam in the middle ages, P-37

(۵) عباس، عبداللہ، ترجمات معانی القرآن الکریم وتطورفھمہ عندالغرب، رابطہ عالم اسلامی، عدد نمبر ۱۷۴، ۱۴۱۷ھ، ص۔۳۹

21 -Al -Olaqi,P-52

22-(I) Al -Olaqi,P-52 (II)Southern,R.W. Western views of Islam, P-38

23- Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature,Peter Lang, New Yark, 2018, P-18

24- Al -Olaqi,P-52

۲۵- عبد المحسن، عبدالراضی محمد، ماذا یرید الغرب من القرآن؟ ریاض، ط اول ۲۰۰۶ء، ص۲۳

26- Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature,Peter Lang, New Yark, 2018, P-16-18

27-(I) Southern,R.W. Western views of Islam, P-72

(II) Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature,Peter Lang, New Yark, 2018, P-19

۲۸- وزّان، عدنان محمد عبدالعزیز، صورۃ الاسلام فی الادب الانجلیزی، ط۱، داراشبیلیا، ریاض، ج اول، ص۹۸

۲۹- ایضاً، ص۲۵۴۔۵۵ Long , W.J. English literature, P.60

30- Southern,R.W. Western views of Islam, P-79-81

۳۱- وزّان، عدنان محمد عبدالعزیز، صورۃ الاسلام فی الادب الانجلیزی، ط۱، داراشبیلیا، ریاض، ج اول، ص۲۵۶

32- Smith, Byrom Porter, Islam in English literature,P.1-2

33-(I) Ibid P.XXIII (II) Al-Olaqi P.40

34 -Smith, Byrom Porter, Islam in English literature,P.XXIII

35-(I) Ibid P.XXIII (II) Al-Olaqi P.39-40

36- Al-Olaqi P.39-40
37- Ibid P.38-39
38- Smith, Byrom Porter, Islam in English literature,P.3
(مزید مطالعہ کے لیے پروفیسر عبد الرحیم قدوائی صاحب کی کتاب ’’Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature,Peter Lang, New Yark, کا صفحہ دو تا نو ملاحظہ فرمائیں)
۳۹- وزّان، عدنان محمد عبد العزیز، صورۃ الاسلام فی الادب الانجلیزی، ط ا، دار اشبیلیا، ریاض، ج اول، ص ۲۶۴
40- Birch, Dinah, The Oxford Companian to English literature, Ed 7th ,2002, P.774-75
41- Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature,Peter Lang, New Yark, 2018, P-10
42- Kidwai,A.R.,The Crescent and The Cross.A.M.U. P.-7.
۴۳- وزّان، عدنان محمد عبد العزیز، صورۃ الاسلام فی الادب الانجلیزی، ط ا، دار اشبیلیا، ریاض، ج اول، ص ۲۶۸
۴۴- ایضاً، ص ۲۶۹ ۴۵-(ا) ایضاً، ص ۳۰،۳۹
(II) Southern,R.W. Western views of Islam, P-74-75
۴۶-(ا) وزّان، عدنان محمد عبد العزیز، صورۃ الاسلام فی الادب الانجلیزی، ط ا، دار اشبیلیا، ریاض، ج اول، ص ۲۶۸
(II) Al-Olaqi,P .46-47
(III) Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature,Peter Lang, New Yark, 2018, P-37,39.40
47- Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature,Peter Lang, New Yark, 2018, P-40
48-(I) Southern,R.W. Western views of Islam, P-31
(II) Al-Olaqi P.40
49- Ibid, P.37

مغرب میں نکاح کی صورتیں اور اسلام کا تصور نکاح

ـــــــــــــ مولانا کمال اختر قاسمی

یورپ میں ۱۷۵۰ء تک نکاح دو افراد کے درمیان ذاتی نوعیت کا مسئلہ تھا، جس کی مقبولیت کے لیے کسی طرح کی مذہبی تقریب اور قانونی چارہ جوئی کی ضرورت نہیں تھی۔ چنانچہ قبائلی نکاح، جو خفیہ طور پر بلکہ زبردستی قبضہ کی شکل میں انجام دیا جاتا تھا، اسے بھی چرچ کی نگاہ میں معتبر مانا جاتا تھا۔[۱] 'ہارڈوکٹ میرج ایکٹ' کے نافذ ہونے تک قانونی نکاح کے اداروں پر قانون کی مضبوط گرفت نہیں ہوسکی تھی۔ ۱۷۵۳ء میں اس ایکٹ کے آجانے کے بعد نکاح کو فرد کی ذاتی مرضی سے نکال کر اسٹیٹ کے اختیار میں لایا گیا۔[۲]

مغربی ممالک میں رائج نکاح کا قانونی جائزہ

مغربی ممالک کا قانون ہر انسان کے لیے نکاح کو بنیادی حق تسلیم کرتا ہے، ریاستہائے متحدہ امریکہ کے سپریم کورٹ میں ایسے پندرہ (۱۵) مقدمات دائر ہو چکے ہیں جن میں متفقہ طور پر تسلیم کیا گیا کہ نکاح ہر انسانی کا بنیادی حق ہے۔:

> Marriage is a fundamental right marriage is the most important relation in life and the founder foundation of the family and society without which there would be niether civilization not progress. In other case: The right to marry establish a home and bringing up children is a central part of liberty protected.Marriage is one of the basic civil rights of man, and fundamental to the every existance and survival of the race.[۳]

'نکاح انسان کا بنیادی حق ہے، نکاح زندگی میں سب سے اہم رشتہ ہے اور یہی خاندان اور معاشرے کی بنیاد ہے۔اس کے بغیر تہذیب وتمدن کی ترقی نہیں ہوسکتی۔اسی طرح حق نکاح ،گھر بسانا اور حصول اولاد کا حق انسان کی محفوظ آزادی کا مرکزی حصہ ہے، جو اسے عدالتی انتظامیہ کے ذریعہ سے دیا جاتا ہے کیوں کہ نکاح انسان کے بنیادی شہری حقوق میں سے ہے،نسل کی وجودو بقا کی بنیاد بھی اسی پر ہے۔'

نکاح کے قانونی امور کا نظم و انصرام انفرادی طور پر الگ الگ اسٹیٹ کی ذمہ داری ہے، اسٹیٹ کو نکاح کے متعلق قانونی کارروائیاں کرنے کا پورا اختیار ہوتا ہے، نکاح کی شرائط، دستاویز وغیرہ اسی طرح نکاح کے اصول وضوابط میں ترمیم اور متعلقہ امور سب کے سب صوبائی انتظامیہ کے دائرے میں آتے ہیں۔

مشترکہ قانونِ نکاح(Common Law Marriage)

مغربی ممالک کے میرج لا کو دو حصوں میں منقسم کیا جاتا ہے Common Law یعنی مشترکہ قانون اور Marriage Licence یعنی نکاح کا لائسنس حاصل کرکے۔ مشترکہ نکاح کا قانون زیادہ تر ممالک میں معتبر نہیں ہے ،اس کو غیر قانونی اور غیر رسمی شادی کے طور پر جانا جاتا ہے، کیوں کہ اس میں عدالت کو واسطہ بنائے بغیر باہم نکاح کیا جاتا ہے۔ان ممالک میں نکاح کو مقبولیت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ عدالت کے واسطے سے انجام پائے اور وہاں باضابطہ اس کا اندراج کیا گیا ہو۔Comman law کو غیر رسمی نکاح ،عام نکاح جیسے ناموں سے جانا جاتا ہے،یعنی مشترکہ قانون ازدواج در حقیقت غیر قانونی نکاح ہے،اس میں دو جوڑے کسی مذہبی یا قانونی ضابطہ کے بغیر صرف ساتھ رہتے ہیں اور دنیا کے سامنے خود کو شادی شدہ کی طرح پیش کرتے ہیں۔اس کی حقیقت بس اتنی ہے کہ دونوں فریق کی مرضی سے نکاح انجام پاتا ہے، اس کا کسی سرکاری ادارے میں رجسٹریشن نہیں کرایا جاتا ،اس طرح کے نکاح میں کسی طرح کے قانونی حقوق حاصل نہیں ہوتے ، کیوں کہ اس کو قانونی مقبولیت حاصل نہیں ہوتی ہے۔[۲]

Comman marriage law کومتحدہ امریکہ کی نو ریاستوں کولو راڈو، لووا، کینساس،مونٹانا، اوکلاہوما، روڈازلینڈ، ساؤتھ کیرولینا، ٹیکساس اوراوٹاہ میں تسلیم کیا جاتا ہے، جب کہ ستائیس (۲۷) ریاستوں میں اس کو تسلیم نہیں کیا جاتا ہے۔۵ البتہ Common Law Marriage میں اس کی گنجائش ہوتی ہے کہ اگر بڑی جماعت کی موجودگی میں یہ نکاح انجام پائے تو بعض مرتبہ تمام اسٹیٹس بشمول ان صوبوں کے جہاں Comman Law of Marriage معتبر نہیں ہے، وہاں بھی قانونی دائرے میں لانے کے لیے ایسے نکاحوں کو معتبر مان لیا جاتا ہے جو مشترکہ قانون نکاح کے طور پر انجام پاتے ہیں اور جن کا اندراج نہیں ہو پاتا۔۶ ان کے علاوہ دوصوبوں میں بعض صورت میں گھریلو مشترکہ قانون نکاح کو تسلیم کیا جاتا ہے،جس میں زوجین کے لیے ایک دوسرے کا قریبی رشتہ دار ہونا ضروری ہوتا ہے، دھیرے دھیرے Domestic Common Law of Marriage یعنی گھریلو قانون نکاح کو ختم کردیا گیا۔۷ اس کے علاوہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے Rhode Island, Montana, Kansas,Lowa, Colorado, اور کولمبیا کے بعض اضلاع میں Common Law Marriage کے تحت دو جوڑوں کے درمیان معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔۸ فوجی عدالت کے یونیفارم کوڈ کے تحت تمام امریکی عدالتیں دو جوڑے کو بلاکسی قانونی یا مذہبی نکاح کے شادی شدہ تسلیم کرتی ہیں، البتہ ان جوڑوں کے وارثین ایسے جوڑے سے اپنے تعلقات ثابت نہیں کر سکتے ہیں، اس کے لیے کوئی نہ کوئی قانونی دستاویز فراہم کرنا ضروری ہوگا۔البتہ اس کے لیے کچھ ریاستوں نے ایک فارم پر غیر قانونی نکاح کو رجسٹریشن کرانے کا نظم کیا ہے۔۹ مغربی ممالک کی موجودہ صورت حال میں مشترکہ قانون نکاح کو قانونی دائرہ کار میں شامل کرلیا گیا ہے، جو کچھ ملکوں اور علاقوں میں نافذالعمل ہے۔ اس کے تحت اس طرح کے جوڑوں کو قانوناً شادی شدہ تسلیم کیا جانے لگا ہے، حالاں کہ یہ جوڑے رسمی طور پر اپنے رشتے کسی مذہبی یا قانونی شادی کے تابع نہیں کرتے۔۱۰

نکاح کا اجازت نامہ(Marriage Licence)

میرج لائسنس ایک دستاویز ہے جو چرچ یا حکومتی اتھارٹی کی طرف سے جاری کی جاتی ہے۔اس میں جوڑے کو نکاح کی مکمل اجازت حاصل ہوتی ہے۔اس دستاویز کے حصول کے لیے اپنی تفصیلات کے ساتھ چرچ یا حکومتی اتھارٹی کو نکاح کی درخواست دینی ہوتی ہے، پھر وہاں سے اس کی منظوری ملتی ہے۔میرج لائسنس حاصل کرنے کے مختلف طریقے ہیں ،جو وقت کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ایسے درمیانہ عمر کے لوگوں کو بھی میرج لائسنس دیا جانے لگا ہے، جن کا غیر قانونی نکاح ہوا ہو، مثلاً جنہوں نے نکاح کے وقت چرچ یا حکومتی اتھارٹی میں اندراج نہیں کرایا ہے، تا کہ یہ لوگ بھی اپنے غیر قانونی نکاح کو قانونی دائرے میں لا کر حکومتی مراعات حاصل کر سکیں۔میرج لائسنس کو آج کل ریکارڈ اور مختلف حکومتی مصلحتوں کے پیش نظر ضروری قرار دیا گیا ہے اور متعدد مواقع پر اس کی شدید ضرورت پڑتی ہے۔اس میں جوڑے اور گواہوں کے دستخط ضروری ہیں۔ نکاح کی شرائط میں چرچ یا حکومتی اتھارٹی کے ادارے کی طرف سے منظوری ،جوڑوں کے درمیان مکمل رضا مندی اور چند گواہوں کی موجودگی میں کاغذی کارروائی کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔مذہب، قومیت یا علاقائیت کی تفریق یا اس طرح کے کفو کی ضرورت نہیں ہے۔انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ کے آرٹیکل ۱۶ میں کہا گیا ہے:

> Men and women of full age, without any limitation due to race nationality or religion have the right to marry and to found a family.[۱۱]
>
> ’’مرد وعورت کو مذہب وقومیت کی تفریق سے بالاتر ہو کر ایک دوسرے سے نکاح کرنے اور گھر بسانے کا مکمل اختیار ہے۔‘‘

اسکاٹ لینڈ میں نکاح کے لیے مذہبی ادارہ کی سر پرستی ضروری نہیں ہے۔نکاح سے دو یا چھ ہفتے قبل ضلع رجسٹرار کو درخواست دینی ضروری ہوتی ہے، جس میں جوڑوں کی تفصیلات ،ملک، شہریت اور شادی کی حیثیت کو واضح کرنا ضروری ہوتا ہے۔ایک متعینہ فیس کے ذریعے رجسٹرار جنرل سے اجازت لینا بھی ضروری ہے۔[۱۲] یونائیٹڈ اسٹیٹ

میں میرج لائسنس کا حصول ضروری ہے، اس کے لیے دونوں فریق کو میرج اتھارٹی کے دفتر میں پیش ہونا ضروری ہوتا ہے، ساتھ ہی ایسے دستاویز بھی جمع کرنا ضروری ہوتا ہے، جس میں عمر کی وضاحت ہو۔ بعض ریاستوں میں والدین کی رضامندی کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ میرج اسٹیٹس میں اس کا پختہ ثبوت جمع کرانا ضروری ہوتا ہے کہ وہ پہلے سے شادی شدہ نہیں ہے اور اگر شادی شدہ ہے تو قانونی طور پر طلاق یا ڈیتھ سرٹیفکیٹ جمع کرنا ضروری ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے بعض صوبوں میں بلڈ ٹیسٹ کی رپورٹ جمع کرنا بھی لازمی شرائط میں سے ہے۔[۱۳] امریکہ میں نکاح کے لیے سرکاری اجازت کی شرط کو لے کر مستقل تنازع چلتا رہتا ہے، لوگ نکاح کو سرکاری قید و بند سے مکمل آزاد کرانا چاہتے ہیں۔[۱۴] ہم جنس شادی کی وکالت کرنے والے لوگ لائسنس کی شرط کے ساتھ شادی کی سخت مخالفت کرتے ہیں، کیوں کہ میرج لا کی دفعہ نمبر ۸ میں نکاح کے لیے مخالف جنس ہونے کو ضروری قرار دیا گیا تھا، لیکن ہم جنسیت کے وکلاء کی طرف سے زبردست تنقید کی وجہ سے جون ۲۰۱۵ء میں اس طرح کی شرائط کو منسوخ کر دیا گیا اور بہت سے حکومتی اداروں سے نکاح کے لیے مخالف جنس والی پابندی ختم کر دی گئی، البتہ مذہبی اصولوں کی رعایت کرنے والوں کو اس کی آزادی ہے کہ وہ اپنے مذہبی اصولوں کے مطابق نکاح کریں۔[۱۵]

باہمی رضامندی کی صراحت

مغربی قانون میں نکاح کے لیے باہمی رضامندی کا ہونا ضروری ہے۔ نکاح کی بنیاد ہی اس پر ہے کہ مرد وعورت میں سے ہر ایک اس کو ظاہر کرے کہ وہ اسے اپنے لیے جوڑے کے طور پر اختیار کرتا ہے۔ فرانس کے قانون کے مطابق وہ نکاح قانونی طور پر قابل قبول نہیں ہے جس میں مکمل طور پر باہمی رضامندی نہ ہو۔[۱۶] برطانوی قوانین میں بھی ضروری ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک گواہوں کے سامنے مکمل رضامندی کی صراحت کرے۔ اگر ان میں سے کوئی کسی وجہ سے رضامندی کی صراحت نہیں کر سکتا تو

اس کے ولی کی موافقت کی صراحت ضروری ہے۔ ۱۷ مغربی قانون میں اس کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ رضامندی پر دلالت کرنے والی علامت کا اظہار بھی کافی ہے، چاہے صاحب معاملہ زبان سے رضامندی کے اظہار پر قدرت رکھتا ہو، پھر بھی ایجاب وقبول یا رضامندی کے لیے الفاظ کے ذریعہ سے اعلان کرنے کی حاجت نہیں۔ ۱۸

نفاذ نکاح کی شرائط اور تقاضے

مغربی ممالک میں نکاح کے تعلق سے زوجین میں سے ہر ایک کی مصلحتوں، ضرورتوں اور حقوق وواجبات کی رعایت کرنے کو قانونی دائرے میں رکھا گیا ہے۔ نکاح کے بعد زوجین کے مابین جس طرح کے حالات پیش آتے ہیں سب کسی نہ کسی طرح قانونی دائرے میں آتے ہیں اور تمام امور کے متعلق مناسب قانون بھی موجود ہے، تاکہ کسی کے حقوق پامال نہ ہوں۔ چنانچہ نکاح کے انعقاد سے تین بنیادی حقوق اور ذمہ داریاں وابستہ ہوتی ہیں ان کا پورا کرنا قانونی اعتبار سے دونوں کے لیے ضروری ہے۔

(۱) ایک دوسرے کے لیے خالص ہو جانا: فرانسیسی آئین کے آرٹیکل نمبر ۷۷ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک پر واجب ہے کہ وہ اپنے ساتھی اور شریک حیات کے لیے مخلص ہو، ایک دوسرے کے ساتھ کسی اور سے ربط و تعلق بنا کر خیانت کا ارتکاب نہ کرے۔ آرٹیکل ۴۷۷ میں اس کی بھی وضاحت ہے کہ زوجین میں سے کسی کے ساتھ خیانت کو سول کورٹ اور دیوانی کورٹ دونوں عدالتوں کے دائرے میں لایا جائے گا۔ دیوانی کورٹ کو سزا دینے کا اختیار ہے، جب کہ سول کورٹ دونوں کے درمیان طلاق کے ذریعہ علیٰحدگی کرا دے گا۔ اس لیے فرانس اور دیگر مغربی ممالک کے قانون کے مطابق شوہر و بیوی کا ایک دوسرے کے لیے مخلص ہونا، باہمی حقوق کی حفاظت کرنا اور ایک دوسرے کے ساتھ خیانت نہ کرنا لازمی ہے۔

(۲) ایک ساتھ رہنا: فرانسیسی آئین میں میاں بیوی کا ایک ساتھ رہنا ضروری ہے، تاکہ ازدواجی زندگی ہمیشہ کے لیے قائم رہ سکے، البتہ باہمی رضامندی سے معاشی

اور دیگر ضرورت کے لیے الگ الگ قیام کیا جاسکتا ہے۔

(۳) باہمی تعاون: مغربی معاشرے میں عام طور پر خواتین بھی معاشی امور سے جڑی ہوتی ہیں اور مرد بھی۔لہٰذا زوجین کے لیے تمام امور میں ایک دوسرے کے تعاون کے ساتھ باہمی مالی تعاون بھی ضروری ہے۔گھریلو اخراجات اور بچوں کی تعلیم و تربیت اور پرورش پر جو اخراجات آتے ہیں وہ دونوں کے ذمے ڈالے جاتے ہیں۔ آئین فرانس کے آرٹیکل ۲۱۴ میں اس کی صراحت ہے کہ مرد اور عورت دونوں کارگزار ہیں تو گھریلو اخراجات کی ذمہ داری دونوں کی آمدنی کے اعتبار سے دونوں پر ڈالی جائے گی، چاہے دونوں ایک ساتھ رہ رہے ہوں، یا کسی وجہ سے دونوں الگ الگ قیام کرتے ہوں۔فرانس کے علاوہ تمام مغربی ممالک کے سول قانون میں اس کی صراحت ہے اور دونوں کے اوپر گھریلو اخراجات کی ذمہ داری ڈالے جانے کی بات کہی گئی ہے۔ [۱۹] برطانیہ کے قانون ازدواج میں بھی ان تینوں بنیادی حقوق کا تذکرہ ہے، البتہ گھریلو اخراجات بلکہ بیوی کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کی ذمہ داری شوہر کی مالی حیثیت کے مطابق شوہر پر ڈالی گئی ہے۔ بیوی پر ضروری نہیں ہے کہ وہ شوہر کے مسائل کو حل کرنے کے لیے اپنا مال خرچ کرے، البتہ برطانوی قانون میں میاں بیوی کے ذمہ کچھ خاص حقوق اور واجبات ہیں جن کا پورا کرنا دونوں پر لازم ہے۔ مثال کے طور پر دونوں کی ذمہ داری ہے کہ ایک ساتھ ازدواجی زندگی گزاریں،اسی طرح شوہر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق بیوی کی ضروریات پر صرف کرے اور بیوی شوہر کی مالی حیثیت کا ہر وقت لحاظ رکھے۔ بیوی پر لازم ہے کہ وہ شوہر کے گھر میں رہے اور شوہر کو جنسی تعلقات کے مواقع فراہم کرے۔[۲۰]

نکاح کی عمر

مغرب کے متعدد ممالک میں نکاح کی کم سے کم عمر کے بارے میں مختلف قوانین ہیں۔فرانس کے قانون کے مطابق محض بلوغ کی قانونی عمر نکاح کی اہلیت کے

لیے کافی ہے اور بلوغ کی قانونی عمر مرد کے لیے اٹھارہ (۱۸) سال اور عورتوں کے لیے پندرہ (۱۵) سال ہے، لیکن اس عمر کے لڑکے لڑکیوں کے نکاح کے لیے صرف ان کی رضامندی کافی نہیں ہے، بلکہ ان کے خاندان کی اجازت بھی ضروری ہے۔ بلوغ کی قانونی عمر کے علاوہ سمجھ داری کی قانونی عمر بھی متعین ہے، جو مرد وعورت دونوں کے لیے اکیس (۲۱) سال ہے۔ اس عمر میں نکاح کرنے والے جوڑوں کی باہمی رضامندی کافی ہے، خاندان یا ولی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔[۲۱] نکاح کی عمر کے تعین میں اکثر تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ موجودہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں نکاح کی اوسط عمر ۱۹۷۰ء میں مرد کے لیے تئیس (۲۳) سال اور عورت کے لیے اکیس (۲۱) سال تھی۔ ۲۰۰۹ء میں مرد کے لیے اٹھائیس (۲۸) سال اور عورت کے لیے چھبیس (۲۶) سال کردی گئی۔ پھر ۲۰۱۷ء کے نئے قانون میں پہلے نکاح کی لازمی عمر مرد کے لیے انتیس (۲۹) سال اور عورت کے لیے ستائیس (۲۷) سال چار مہینے کردی گئی ہے۔[۲۲] متحدہ امریکہ کی ۱۷/ ریاستوں میں نکاح کی کم سے کم قانونی عمر مقرر نہیں ہے، صرف Nebraska میں انیس (۱۹) سال اور Missisippi میں اکیس (۲۱) سال کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر ریاستوں میں نکاح کی کم سے کم عمر اٹھارہ (۱۸) سال ہے۔ زیادہ تر ریاستوں میں سولہ (۱۶) اور سترہ (۱۷) سال کی عمر میں بھی والدین کی رضامندی کے ساتھ نکاح کی اجازت دی جاتی ہے۔ ۲۰۱۸ء میں نکاح کی عمر کے متعلق نیا قانون پیش کیا گیا، جس میں متفقہ طور پر مرد وعورت دونوں کے لیے سترہ (۱۷) سال مقرر کی گئی۔[۲۳]

شادی کی توثیق اور نفاذ

رومیوں کے عہد میں نکاح کو عورت کا اس کے کچھ اموال سمیت اپنے والد کی ملکیت سے شوہر کی ملکیت میں منتقل ہونا مانا جاتا تھا۔ ملکیت کی یہ تبدیلی ایک سربراہ قبیلہ کی سرپرستی میں انجام پاتی تھی۔ ساتھ ہی اسی سربراہ کی سرپرستی میں اور بھی کچھ ضروری مراسم ادا کیے جاتے تھے۔ جن میں باہمی رضامندی کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی تھی۔ بعد

میں چل کر باہمی رضامندی کو اہمیت حاصل ہوئی اور کسی بھی طرح کے مراسم یا قانونی یا مذہبی اصول وضوابط اور اولیاء یا مذہبی افراد کی اجازت کے بغیر محض باہمی رضامندی سے شادی منعقد ہو جاتی تھی، یعنی یہ ایک طرح کا غیر قانونی نکاح تھا جس میں تمام بنیادی حقوق کی رعایت بھی کی جاتی تھی، لیکن مذہب یا قانونی طریقہ کار سے الگ ہٹ کر سارے امور انجام پاتے تھے۔[۲۴] مسیحیت کے غلبہ پانے کے بعد غیر مذہبی نکاح کو قبولیت حاصل نہیں رہی۔ اس لیے کلیسائی نظام میں عرفی نکاح یا نکاح کے بغیر ساتھ رہنے کو باضابطہ نکاح نہیں مانا جاتا تھا، بلکہ نکاح کے معاہدہ کا نفاذ اور اس کی قبولیت کے لیے ضروری تھا کہ کسی مذہبی ذمہ دار کی موجودگی میں مذہبی رسوم ادا کیے جائیں۔[۲۵] انقلاب فرانس کے بعد ۱۷۹۱ء میں نکاح کے تعلق سے قانون سازی کی گئی ،جس میں بنیادی طور پر یہ طے کیا گیا کہ نکاح مذہبی معاملہ نہیں، بلکہ سماجی اور قانونی معاملہ ہے، اس لیے کلیسا کے افراد کے بجائے نکاح وغیرہ امور کے لیے متعین کردہ شعبہ سے متعلق کسی ذمہ دار افسر کی توثیق اور منظوری سے ہی نکاح کو قابل قبول مانا جائے گا، نیز نکاح اپنی حقیقت کے لحاظ سے مذہبی معاملہ بھی ہے، اس لیے کہ عوام میں نکاح کا احساس اسی وقت ہوسکتا ہے جب دینی رسوم کے مطابق ہو۔ اسی وجہ سے ۱۸۱۱ء میں حکومت اور کلیسا کے درمیان یہ معاہدہ طے پایا کہ نکاح سے متعلق مذہبی امور کو کلیسا کے متعین کردہ مذہبی پادری کی موجودگی میں ادا کیا جائے اور قانونی کارروائی کے لیے حکومت کے متعین کردہ متعلقہ شعبہ کے ذمہ دار افراد کے ذریعہ رجسٹریشن اور دیگر ضوابط پر عمل کیا جائے، اسی لیے تقریبا تمام مغربی ممالک میں اسی طریقے پر نکاح کے معاملات انجام پاتے ہیں۔[۲۶] ۱۸۱۲ء میں نئے میرج ایکٹ کے ذریعہ کلیسا کے لوگوں کو نکاح کے مراسم کی ادائیگی سے اس وقت تک کے لیے منع کر دیا گیا جب تک کہ دونوں فریق حکومت کے سرکاری افسر سے میرج رجسٹریشن اور اس کے اصول وضوابط کی مکمل پیروی نہ کر لے، نیز ایسے مذہبی لوگوں کے خلاف سخت سزا کی تجویز لائی گئی جو نکاح کے مراسم حکومت کے متعین کردہ ادارے کی اجازت کے بغیر انجام دیتے ہیں۔ اس لیے اب مغرب بطور خاص فرانس میں

حکومت کے میرج رجسٹریشن کے دفاتر سے رجوع کیے بغیر اور حکومت کے متعلقہ افسر کی موجودگی کے بغیر شادی کا انعقاد قابل سزا جرم ہے۔ البتہ برطانیہ اور بعض دوسرے مغربی ممالک میں شادی کے انعقاد کے لیے دونوں طریقوں کو اختیار کیا جاتا ہے اور دونوں صورت میں شادی کو منظوری حاصل ہوجاتی ہے۔ دونوں فریق چاہیں تو خالص مذہبی طریقے پر کسی مذہبی ادارے کے فرد کے ذریعہ سے انجام دے یا میرج رجسٹریشن ادارے کے کسی سرکاری افسر کے ذریعے کرے۔[۲۷] مغربی ازدواجی قانون کے مطابق ہر فریق کو اپنی تمام تفصیلات جیسے ذاتی حالات، مالی و معاشرتی معاملات کی وضاحت سرکاری دفتر میں تحریری شکل میں جمع کرنا ضروری ہے، تاکہ یہ معلوم ہو کہ فریقین میں سے کوئی پہلے سے کسی اور کے ساتھ ازدواجی رشتے سے جڑا ہوا نہیں ہے۔ کیوں کہ یہاں تعدّدِ ازدواج کی اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح اس کی بھی جانکاری ضروری ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے قریبی رشتہ دار نہیں ہیں، کیوں کہ قریبی رشتہ دار جیسے بہن، چچی، پھوپھی خالہ وغیرہ سے نکاح معتبر نہیں ہے۔[۲۸]

تعدّدِ ازدواج

مغربی ممالک میں مرد یا عورت کا بیک وقت ایک سے زائد نکاح کرنا غیر قانونی ہے۔ امریکہ کی تمام پچاس ریاستوں، برطانیہ، اٹلی، فرانس، جرمن اور دیگر مغربی ممالک میں بہ یک وقت ایک سے زیادہ نکاح کرنا قابل سزا جرم ہے۔ اس میں جرمانہ اور جیل یا دونوں طرح کی سزا کا قانون ہے، یہاں تک کہ امیگریشن کے موقع پر بھی ایک سے زائد نکاح تسلیم نہیں کیے جاتے اور امیگریشن کی درخواست نامنظور کردی جاتی ہے، خواہ درخواست دہندہ کسی ایسے ملک سے ہجرت کرکے آئے ہوں جہاں بہ یک وقت ایک سے زیادہ نکاحوں کی اجازت ہے۔[۲۹] امریکہ کی تمام عدالتوں میں تعدّدِ ازدواج کو قابل تعذیر جرم سمجھا جاتا ہے اور اس پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اگر کسی کو کسی وجہ سے یقین ہو کہ اس کا شوہر یا اس کی بیوی مرگئی ہے، یا اب دونوں کے درمیان طلاق

یقینی ہے، یا کسی کو ایک دوسرے کے بارے میں کوئی خبر نہ ہو، لیکن موت یا طلاق کا ثبوت نہ ہو، اس صورت میں اگر ایسا شخص کسی دوسرے سے نکاح کرتا ہے تو اسے مجرم مانا جاتا ہے اور اس پر سخت کارروائی، جیسے جرمانہ یا جیل یا دونوں کا قانون ہے۔[۳۰] ۱۸۵۲ء تک ان ممالک میں کثرتِ ازدواج کا رواج تھا اور اسے مذہبی اداروں میں قبولیت بھی حاصل تھی۔ ۱۸۸۳ء میں Edmunds act کے تحت وفاقی طور پر اسے غیر قانونی قرار دیا گیا۔ اس کے باوجود ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی بعض ریاستوں میں بنیاد پرست گروہوں کی طرف سے تعدّد ازدواج کا عمل جاری ہے۔ البتہ تعدّد شوہری شاذ ہی دور دراز کے قبائلی سماجوں میں ہوا کرتا ہے۔ ان سماجوں میں ایک عورت کے کئی شوہر ہوا کرتے ہیں۔ یہ کینیڈا کے کچھ ایونٹ میں ہوا کرتا ہے، حالاں کہ بیسویں صدی میں اس پر عمل آوری میں بھاری گراوٹ دیکھی گئی۔ کیوں کہ ان لوگوں نے قبائلی مذہب سے نکل کر مسیحیت قبول کر لی تھی۔ اس کے علاوہ اسپارٹا کے لوگ بھی اس پر عمل کے معاملے میں مشہور تھے۔ مسیحی سماج میں نکاح کے لیے 'ایک آدمی ایک عورت' کا قانون نافذ ہے۔ آگسٹین نے اپنے مطبوعہ خط The Good of Marriage میں تعدّد ازواج کی حوصلہ شکنی کے لیے لکھا تھا: ''ہمارے قدیم آباواجداد کے لیے یہ جائز تھا۔ کیا یہ اب بھی جائز ہوگا، یہ میں جلد بازی میں اعلان نہیں کرنا چاہوں گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اولاد پیدا کرنا اب اتنا ضروری نہیں ہے جیسا کہ پہلے تھا، جب بیویوں کے بچے جننے کے دوران میں مزید اولاد کے حصول کے لیے یہ اجازت تھی کہ اور بیویوں سے شادی کی جائے، جواب یقیناً غیر قانونی ہے۔''[۳۱]

اکیسویں صدی کے مغربی سماج میں دو شریک حیات کا تصور غیر قانونی ہے اور نکاح کے باہر کے جنسی تعلقات کو عموماً ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، حالاں کہ جدید دور میں شادی شدہ لوگ مختلف قسموں کے تعدّد ازدواج کا طریقہ اپنا چکے ہیں۔ ان میں ہمہ گونہ محبت (polyamory) اور جوڑے بدلنا شامل ہیں۔ یہ لوگ اپنے شرکاء حیات کے ساتھ سمجھوتے کر چکے ہیں، جو دیگر قریبی تعلقات کے لیے جنسی رابطہ کی

گنجائش فراہم کرتے ہیں۔اس وجہ سے جدید دور میں نکاح کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ جنسیت یا جذباتیت کے سہارے ٹکا رہے۔۳۲؎

محرم اور غیر محرم

مغربی مما لک کے قانونِ ازدواج میں محرم اور غیر محرم کی رعایت کی گئی ہے اور قانونی طور پر مردوں اور عورتوں کو دو گروپوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ Exomouse groupیعنی محرم اور Endogenous groupیعنی غیر محرم۔محرم میں بھائی، بہن، والدین ،دادا، دادی، چچا، چچی اور کہیں کہیں چچازاد، چچی زاد، خالہ زاداور پھوپھی زاد بھائی بہن کو شامل کیا جاتا ہے۔ یورپ اور شمالی امریکہ میں ان رشتہ داروں کے درمیان نکاح کو غیر قانونی مانا جاتا ہے۔

> In North America the exomous group includes in individuals siblings parents grand parents uncles ants and sometimes cousins.There Afton are explicit incest law prohibiting marriage or meeting with these relatives.۳۳؎

امریکہ کی زیادہ تر ریاستوں میں چچا زاد بھائی بہن سے شادی کو غیر قانونی قرار دیا گیا ہے، جب کہ کولمبیا اور بعض علاقوں میں اس کو قانونی مانا گیا ہے۔

Endogenous groupیعنی غیر محرم وہ گروپ ہے جس کا ایک دوسرے سے نسل اور قرابت کی بنیاد پر کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ان کے درمیان نکاح کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

اسبابِ حرمت

قانونی دفعات کے مطابق تین طرح کی قرابتوں سے ممانعتِ نکاح ثابت ہوتی ہے۔

قانونی قرابت: قانونی قرابت خونی اور نسلی تعلقات اور مصاہرت کی بنیاد پر

قائم ہوتی ہے۔نسب کی بنیاد پر قرابت کی وجہ سے قرابت کے درجہ کی حد بندی کیے بغیر تمام اصول وفروع کے درمیان نکاح غیر معتبر ہے، جیسے ماں، نانی، بیٹی، پوتی، بھائی بہن، چچا بھتیجی، ماموں بھانجی، پھوپھی بھتیجے، خالہ اور بھانجے وغیرہ۔ البتہ خالہ اور بھانجے اسی طرح پھوپھی اور بھتیجے وغیرہ کے درمیان نکاح کے غیر معتبر ہونے پر موجودہ قوانین میں کوئی ضابطہ نہیں ہے، لیکن کورٹ اس طرح کے نکاحوں کو تسلیم نہیں کرتا ہے اور نہ ہی اس کو نافذ کرتا ہے۔ قانونی قرابت کی دوسری قسم مصاہرت ہے۔ مغربی قانون میں مصاہرت کی تین صورتیں ہیں: (الف) اصول وفروع کی بیوی یا شوہر، یعنی کسی شخص کا ایسی عورت سے نکاح درست نہیں جو اس کے اصولوں میں سے کسی کی بیوی رہ چکی ہو، چنانچہ باپ دادا (اوپر تک) یا بیٹا پوتا (نیچے تک)۔کسی کی بیوی سے نکاح معتبر نہیں ہے، چاہے شوہر مرگیا ہو، یا طلاق ہوگئی ہو۔ (ب) بیوی یا شوہر کے اصول وفروع کے درمیان نکاح درست نہیں ہے، خواہ موت یا طلاق کی وجہ سے نکاح ختم ہوگیا ہو۔(ج) صرف طلاق ہو جانے کی صورت میں بیوی کی بہنوں یا شوہر کے بھائیوں سے نکاح درست نہیں، البتہ جب بیوی کا انتقال ہو جائے تو اس کی بہن سے نکاح درست ہوگا، اسی طرح طلاق دینے والے شوہر کے بھائی سے نکاح معتبر نہیں ہے، لیکن شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس کے بھائی سے نکاح کرسکتی ہے۔

غیر قانونی قرابت: قرابت کی دوسری شکل غیر اصولی اور غیر قانونی ہے۔اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں: (الف) غیر قانونی اولاد کے اصول وفروع کے درمیان نکاح معتبر نہیں ہے۔ (ب) غیر قانونی بچہ اور ان کے بھائیوں اور بہنوں کے درمیان حرمت نکاح کا وہی ضابطہ ہے جو قانونی بچوں کے درمیان ہے، خواہ غیر قانونی بچے کے بھائی بہن قانونی ہوں۔(ج) غیر قانونی بچہ کے لیے مصاہرت کی وہی تفصیلات اور قوانین ہیں جو قانونی بچوں کے لیے ہیں۔

غیر قانونی بچوں کے تعلق سے مغربی ممالک کے قوانین میں کافی لچک پائی جاتی ہے۔ قانونی طور پر اگرچہ اس کے لیے نکاح کے وہی اصول ہیں جو قانونی بچے کے لیے

ہے، لیکن محرمات کے تعلق سے برابری کے قانون پر شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔

متبنی کی قرابت: متبنیٰ یعنی لے پالک بچوں اور ان کو اختیار کرنے والے باپ اور اس کے فروع کے درمیان نکاح قابلِ اعتبار نہیں ہوتا، اسی طرح لے پالک اور اس کے اختیار کرنے والے باپ کی بیوی کے درمیان بھی نکاح معتبر نہیں ہے۔ متبنیٰ کی اولاد اور اختیار کرنے والے کے درمیان رشتۂ ازدواجیت کی اجازت نہیں ہے۔[۳۴]

دوبارہ شادی

امریکہ، فرانس، اٹلی، جاپان اور دیگر مغربی ممالک میں بہ یک وقت ایک سے زیادہ نکاح کو غیر قانونی بلکہ قابل سزا جرم مانا جاتا ہے اور دوسرے نکاح کی اسی وقت اجازت دی جاتی ہے جب پہلے نکاح کا انقطاع پختہ ثبوت کے ذریعہ ثابت کردیا جائے۔ اس کے بعد ہی اس نکاح کو قانونی حیثیت حاصل ہوتی ہے:

> In North America and most other large scale industrial cities where remarriage is permitted after divorce or death.[۳۵]

مغربی معاشرہ میں رائج نکاح کے طریقے

منگنی: انگیجمنٹ کی حیثیت مستقبل میں نکاح کے وعدہ کی ہوتی ہے، لیکن یہ ایسا لازمی وعدہ نہیں ہے کہ نکاح کرنا ضروری ہو، دونوں میں سے کسی کے ارادے میں تبدیلی آسکتی ہے۔ اس کے لیے نہ تو کوئی معقول وجہ بتانے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ کسی قانونی چارہ جوئی کی۔ البتہ انگیجمنٹ کے وقت جو بھی رقم کا تبادلہ ہوا ہے اسے واپس کرنا ضروری ہوتی ہے۔ کلیسا کے ذریعے کیے گئے انگیجمنٹ کے بعد نکاح ختم کرنے سے پہلے یہ ثابت کرنا ضروری ہوگا کہ یقینی طور پر نکاح کرنے کے لیے ہی انگیجمنٹ کیا گیا تھا نہ کہ نکاح کا ارادہ ہی نہیں تھا۔ دونوں میں سے ہر ایک کی انفرادی تفتیش کی جاتی ہے اور انگیجمینٹ سے قبل نکاح کے موانع نہ ہونے کا یقین حاصل کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد انگیجمینٹ کی منسوخی کا اعتبار کیا جاتا ہے۔[۳۶] انگیجمینٹ کے بعد نکاح ختم کرنے سے متعلق

اس قدر تفتیش کی ضرورت اس لیے پڑتی ہے کیوں کہ عام طور پر مرد وعورت دونوں ایک ساتھ رہ رہے ہوتے ہیں، اب اگر اس کو قانونی دائرے میں لائے بغیر ختم کیا جائے تو ایک دوسرے کے حقوق ومطالبات کی وجہ سے قانونی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

نکاح کی تقریب: نکاح کی تقریب عام طور پر کسی مذہبی راہ نما کی سرپرستی میں کسی مذہبی مقام پر منعقد کی جاتی ہے اور دولہا دلہن چرچ کی طرف سے کرائے گئے وعدے اور ایک دوسرے کے حقوق کا مکمل لحاظ کرنے کا حلف لیتے ہیں۔ چرچ کے ذمہ دار اور سرکاری آفیسر تقریب میں موجود شرکاء سے اس نکاح کے متعلق پوچھتے ہیں کہ ایسی کوئی وجہ تو نہیں ہے جس کی بنیاد پر فریقین کو ایک دوسرے سے رشتہ ازدواجیت میں منسلک نہ کیا جا سکتا ہو۔ جب کسی کی طرف سے کوئی اعتراض نہیں ہوتا تو دونوں کے ایک ہو جانے پر مہر ثبت کر دی جاتی ہے۔اس کے بعد ایک ریسیپشن کی تقریب منعقد کی جاتی ہے،جس میں خاندان کے کسی معزز شخص کے ذریعہ افتتاح کیا جاتا ہے،اور جوڑے کو تحائف دیئے جاتے ہیں۔[۳۷]

شادی کی قسمیں

مونوگامی/یک زوجیت: مغربی ممالک میں رائج نکاح کی ایک قسم مونوگامی ہے۔اس میں ایک مرد کو کسی ایک دوسری عورت سے نکاح کرنا ہوتا ہے۔اس میں بہ یک وقت ایک مرد کی ایک بیوی ہی ہوتی ہے اور یہی نکاح رائج اور مقبول عام ہے۔

سیریل مونوگامی/دوسری شادی: زوجین میں سے کسی ایک کے انتقال یا طلاق کے بعد دوبارہ نکاح کرنا۔ اس کے لیے پہلے شوہر یا پہلی بیوی کی وفات یا طلاق کا سرٹیفکیٹ دکھانا ضروری ہے، کیوں کہ بہ یک وقت کسی کی ایک سے زیادہ بیوی یا شوہر نہیں ہو سکتے۔

پولوگامی: یعنی تعدد ازدواج۔ یہ مغرب میں غیر قانونی ہے۔

مشروط نکاح: نکاح سے متعلق جانبین میں سے کوئی ایک دوسرے سے ایسی

شرط لگاتا ہے جو قابل عمل ہو اور اس کو دونوں منظور کر لے تو پورا کرنا ضروری ہے اور باضابطہ حکومتی اتھارٹی اس کی تکمیل کی ضمانت لیتی ہے، لیکن اگر شرط غیر مناسب ہو تو یہ نکاح غیر قانونی ہوتا ہے اور اس کو قبول نہیں کیا جاتا۔[۳۸]

نکاح کے محرکات اور مقاصد

نکاح کے بہت سے مقاصد ہوتے ہیں۔ ان میں بعض وہ ہیں جن کو مغربی ممالک میں عام طور پر ملحوظ رکھا جاتا ہے اور انہیں قانونی درجہ حاصل ہوتا ہے، جیسے بچوں کی خواہش، محبت، ایک ساتھ رہنے اور ایک دوسرے کے ذریعہ استحکام وغیرہ۔ ان کے علاوہ کسی کے تعلق سے ہم دردی کا جذبہ بھی شامل ہوتا ہے۔ غیر ارادی یا نکاح سے باہر حمل کی توثیق، معاشی تحفظ اسی طرح سابق شوہر یا بیوی یا ساتھی سے انتقام وغیرہ اسباب ہیں جن کے لیے بھی نکاح کیے جاتے ہیں۔[۳۹] انکم ٹیکس سے بچت بھی نکاح کی اہم وجہ ہوتی ہے۔ کیوں کہ ۲۰۱۴ء کے امریکی وفاقی انکم ٹیکس کے ضابطے کے مطابق غیر شادی شدہ یا سنگل شخص کو ۶۲۰۰ پاؤنڈ تک کے ٹیکس کی کٹوتی کی اجازت ہوتی ہے، جب کہ شادی شدہ جوڑے کو ۱۲۴۰۰ پاؤنڈ تک کی کٹوتی کی اجازت ہے۔[۴۰] اسی طرح گرین کارڈ حاصل کر کے شہریت کا حصول بھی نکاح کا اہم مقصد ہوتا ہے۔ چنانچہ ۲۰۰۳ء میں ایک لاکھ ۸۴ ہزار سو اکتالیس تارکین وطن کو نکاح کے ذریعے شہریت دی گئی۔[۴۱]

نکاح کے اسلامی قوانین

نکاح عظیم مقاصد کے لیے کیا جانے والا وہ عمل ہے جو بہ ظاہر ایک مرد اور عورت کے درمیان انجام پاتا ہے، لیکن اس کے ذریعے دو افراد، دو خاندان اور وسیع سماج و معاشرہ کے درمیان تعلقات قائم ہوتے ہیں۔ اس لیے اسلام کی نظر میں یہ عمل نہایت حساس ہے، جو خاطر خواہ توجہ کا مستحق ہے۔ اس لیے اس کے باریک سے باریک پہلوؤں کو منظّم قوانین کے دائرہ میں لایا گیا اور ان حدود کی پابندی اور اس کے اصول وضوابط کو ملحوظ رکھنے کی تاکید کی گئی۔ بطور خاص مندرجہ ذیل امور کو نکاح کے باب میں قانونی

حیثیت دی گئی ہے۔

ایک دوسرے کو دیکھنا اور جاننا

نکاح مرد وعورت کی زندگی کا ایک اہم ترین اور نازک معاملہ ہے۔ اس لیے ایک دوسرے کے متعلق بھرپور معلومات اور قابل اطمینان تفتیش وتحقیق ضروری ہے اور ایک دوسرے کو انتخاب واختیار کی مکمل آزادی دی گئی ہے۔[۴۲]

ولی، اعلان نکاح اور گواہ

ولی کی رضامندی ،اعلان نکاح اور گواہ کو اسلامی نکاح میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ جس سے نکاح میں افراط وتفریط اور جذبات میں کیے گئے فیصلے کے مضرات سے بہت حد تک بچا جا سکتا ہے، علانیہ نکاح سے بدگمانیوں اور تہمتوں کا دروازہ بند ہوتا ہے۔ اسی طرح نکاح کی قبولیت کے لیے دو گواہوں کا ہونا لازمی ہے۔

مہر اور نفقہ وسکنیٰ

عورت کے حق ملکیت کو واضح کرنے اور معاشی آزادی ثابت کرنے کے لیے مرد پر مہر کو لازم قرار دیا گیا ہے اور اس کی ادائیگی کی تاکید اس ماحول میں کی گئی جہاں عورتوں کی ملکیت کو مطلقاً تسلیم نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ عورت خود ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ نکاح میں مہر کا تعین معاشرہ میں رائج ظالمانہ نظام پر شدید کاری ضرب تھی۔ اسلام میں نکاح منعقد ہو جانے کے بعد مرد کے اوپر عورت کی تمام ضروریات کی تکمیل واجب ہو جاتی ہے، خواہ عورت خود مال دار ہو۔ اس کی تفصیل قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان کی گئی ہے۔

جن عورتوں سے نکاح جائز نہیں

کسی بھی سماج میں بعض خواتین ایسی ہوتی ہیں جن کے تعلق سے دلی احترام، فطری شفقت ومحبت اور قلبی عظمت وتقدس کے جذبات ہوتے ہیں۔ بعض وہ خواتین ہوتی ہیں جن کے اعضاء انسان کے گوشت پوست کو بڑھانے اور انسان کو وجود میں لانے کا

ذریعہ بنتے ہیں۔ان امور کا تقاضا ہے کہ ان کو مکمل طور پر محترم مانا جائے اور ان سے نکاح کو حرام قرار دیا جائے۔ اسلامی قانون نکاح کے مطابق دو طرح کی محرمات ہوتی ہیں: بعض خواتین وہ ہیں جن سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہوتا ہے اور بعض وہ ہیں جن سے وقتی اور کسی علّت کی وجہ سے نکاح جائز نہیں ہوتا۔ اگر وہ وجہ اور علّت ختم ہو جائے تو نکاح جائز ہو جاتا ہے۔ابدی حرمت کے تین اسباب ہوتے ہیں:

حرمت نسب: یعنی جن عورتوں سے نسبی تعلق ہے، جیسے ماں اور اس کے اوپر تک، بیٹیاں اور ان کے نیچے تک، بہن، پھوپھی، خالہ، بھائی کی بیٹی، اور بہن کی بیٹی وغیرہ۔

حرمت مصاہرت : یعنی جن عورتوں سے مصاہرت کا تعلق ہے۔جیسے بیوی کی ماں اوپر تک، بیوی کی دوسرے شوہر سے بیٹیاں نیچے تک، بیٹے کی بیوی، باپ کی بیوی وغیرہ۔

حرمت رضاعت: یعنی دو سال کی عمر کے دوران اگر کسی عورت نے دودھ پلایا ہے تو وہ رضاعی ماں کہلاتی ہے۔ رضاعت سے وہ تمام عورتیں حرام ہو جاتی ہیں جو نسب کی بنا پر حرام ہیں۔(اس کی تفصیل سورۃ النساء آیت ۲۳ میں درج ہے۔)اسی طرح کوئی عورت کسی کی زوجیت میں ہو، یا کسی کی عدّت گزارنے والی ہو،اس دوران اس سے نکاح حرام ہے۔(النساء:۲۴) کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی ہو تو اسے اپنے پاس بیوی کی حیثیت سے رکھنا جائز نہیں ہے، الّا یہ کہ اس کا کسی اور سے نکاح ہو جائے اور کسی وجہ سے اس سے بھی علیٰحدگی ہو جائے۔(البقرۃ:۲۳۰) دوسرے مذہب کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں ہے الّا یہ کہ وہ اسلام لے آئیں۔(البقرۃ:۲۲۱)

مشروط نکاح

شرط سے مراد کسی معاملے میں ایسی چیز کو لازم کرنا ہے، جس کا لزوم نفس معاملہ کی وجہ سے نہیں ہوتا۔معاملات کے نفع وضرر اور ان کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھتے ہوئے چار طرح کی شرطیں ہوسکتی ہیں، جن میں سے بعض جائز ہیں اور بعض ممنوع۔پہلی شرط وہ ہے جو نکاح کی حقیقت اور اس کے بنیادی تقاضے کے خلاف ہو۔ ایسی شرط باطل ہوگی اور نکاح منعقد نہیں ہوگا۔دوسری شرط وہ ہے جو عقد نکاح اور نکاح کے تقاضوں کے بعض

اہم مقاصد کے خلاف ہو۔ اس کے متعلق راجح قول یہ ہے کہ یہ شرط باطل ہوگی اور عقد نکاح باقی رہے گا اور فریقین کو اس سے رجوع کرنا ضروری ہوگا۔ اگر دونوں فریق اپنی اپنی شرطوں سے رجوع کرنے پر راضی ہو جائیں تو نکاح منعقد رہے گا، ورنہ اس کو فسخ کر دینا ضروری ہے۔ تیسری شرط وہ ہے جو شریعت اور اخلاقی تقاضوں کے خلاف ہو۔ ایسی صورت میں شرط کا اعتبار نہیں ہوگا اور نہ اس پر عمل ہی کیا جائے گا اور نکاح کو صحیح مانا جائے گا۔[۴۳] چوتھی شرط وہ ہے جو شریعت کے خلاف ہو نہ نکاح کے بنیادی تقاضوں کے مخالف ہو، یا ایسے فرائض و ذمہ داریوں کی شرط جو عقد نکاح کی وجہ سے خود ہی حاصل ہوتی ہوں۔ یہ شرط صحیح ہے اور اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔[۴۴]

اسلامی قانون کے مطابق نکاح کی ناقابلِ قبول صورتیں

نکاح مؤقت

وہ نکاح جو گواہوں کی موجودگی میں معلوم مدّت کے لیے کیا جائے۔ نکاح میں اگر وقت اور مدّت کا تعین ہو تو یہ بالکل ہی جائز نہیں ہے۔ نکاح متعہ اور حلالہ میں یہی ہوتا ہے۔ اس لیے یہ دونوں نکاح حرام ہیں۔[۴۵] اگر نکاح کے وقت مدت کے تعین کی صراحت نہ ہو، البتہ فریقین میں سے کسی کے دل میں یہ ارادہ ہو کہ کچھ دنوں کے بعد نکاح کو ختم کر لیا جائے گا، اہل علم نے اس نکاح کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ فقہائے احناف کے یہاں اس صورت میں نکاح منعقد ہو جائے گا اور عاقدین کو اپنی نیت درست کرنی ہوگی۔[۴۶]

نکاح مسیار

نکاح مسیار ایک قانونی معاہدہ ہے، جس کے تحت ایک مرد اور ایک عورت کے مابین گواہوں اور ولی کی موجودگی میں اور نکاح کے ارکان و شرائط کو پورا کرتے ہوئے نکاح کیا جاتا ہے، البتہ عورت نفقہ و سکنیٰ اور شب گذاری کے حق سے دست برداری پر راضی ہو جاتی ہے۔[۴۷] نکاح مسیار اور نکاح مسنون میں بنیادی فرق یہی ہے کہ نکاح

مسنون میں نکاح کے تمام قانونی اثرات، جیسے نفقہ، سکنیٰ اور شب باشی وغیرہ مرتب ہوتے ہیں، لیکن نکاح مسیار میں ان امور سے دست برداری پر باضابطہ اتفاق کیا جاتا ہے۔ نکاح مسیار عارضی یا وقتی نہیں ہوتا اوراس کو صرف طلاق سے ہی ختم کیا جاسکتا ہے ،نیز اس میں ولی، گواہ اور بہ یک وقت مشروع تعدّد ازدواج کی رعایت بھی ضروری ہے اوراس میں وراثت بھی ہوتی ہے۔اس کے برخلاف نکاحِ متعہ عارضی ہوتا ہے،اس میں طلاق ہوتی ہے نہ وراثت۔

نکاح مسیار سے متعلق فقہاء کی تین آراء ہیں:

عدم جواز: اگر چہ نکاح مسیار میں نکاح کے تمام ارکان وشرائط موجود ہیں، لیکن یہ نکاح کے باب میں شریعت کے مقاصداور نکاح کے بنیادی تقاضے اور سماجی مقاصد سے متصادم ہے، جب کہ عقود و معاملات میں مقاصد کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا۔ اس لیے یہ جائز نہیں ہے۔ ہندو پاک کے علما اس کو عارضی اور وقتی نکاح مان کر ناجائز کہتے ہیں۔[۴۸]

جواز: اس میں نکاح کے تمام ارکان وشرائط پائی جاتی ہیں اورکوئی وجہ نہیں جو حرمت کا باعث بنے، اس لیے اس طرح کے نکاح کو مطلقا حرام نہیں قرار دیا جاسکتا۔ نکاح مسنون اور نکاح مسیار میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اس میں نفقہ وسکنیٰ اور ساتھ رہنے سے دست برداری پر زوجین کا اتفاق ہوتا ہے۔ ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہؓ نے بھی اپنی باری سے دست بردار ہوکر حضرت عائشہؓ کو یہ حق دے دیا تھا۔[۴۹] یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ عورت کو اختیار ہے کہ وہ اپنے بعض حقوق سے دست بردار ہو جائے۔

جائز، مگرنا پسندیدہ: اسلامک فقہ اکیڈمی کی طرف سے ۲۰۰۶ء میں منعقدہ سیمینار میں نکاح مسیار کے متعلق متفقہ فیصلہ جاری کیا گیا کہ ایسا عقد زواج جس میں عورت رہائش، خرچ اور تقسیم یا کچھ دوسرے حقوق اپنی مرضی سے ختم کردے اورمرد کو یہ اختیار دے کہ مرد جب چاہے دن یا رات میں اس کے پاس آسکتا ہے، یا ایسا عقدنکاح جس میں عورت اپنے گھر والوں کے ساتھ میکے میں ہی رہے اورمیاں بیوی جب چاہیں

عورت کے میکے یا کسی اور جگہ مل لیں، اسی طرح خاوند بیوی کو نہ رہائش دے نہ خرچ وغیرہ، یہ دونوں عقد صحیح ہیں۔ بہ شرطے کہ اس میں نکاح کے ارکان وشرائط موجود ہوں اور کوئی مانع موجود نہ ہو۔لیکن یہ نکاح خلاف اولیٰ ہے۔''۵۰

حواشی ومراجع

1- Nadelson,Carol.Malkah not man,To marry or not to marry:A choice.1 oct 1981

۲- حوالہ سابق

3- Board the editorial 26july 2015,Aprfound Rulling delivers justice on gaymarriage,he New York times, retrieved,2 April 2018

4- common law marriage and cohabitation, commons library standard note, UKparliament striped 16 December 2014

5- El,Common law marriage Texas law, retrieved 15 September 2016

6- El.Comman law marriae unmarriied.org.Retrived 15 sept 2016

7- Larson Aaron, what is common law marriage, September 2017

8- Marriage law of the 50 states legal information institute 14

9- Declaration and registration of informal marriage Texas health and human services 11 September 2017

10- love marriage and cohabitation, house of common library parliament UK 14,June 2018

11- The universal declaration of Human rights United Nations striped 26December 2013

12- En.m.wikipedia.org_ marriage licence in Scotland

13- Mississippi legislator regular season 2012 by senator S sojourner)s(sojourner to judiciary, division A

14- Arguments against marriage licence from mercy church Wisconsin

15- the Christian science monitor same sex marriage activist seek rasile off california's pro.p:8

۱۶- تعریب القانون المدنی الفرنسی المادہ ۱۴۶۔ Duke code civil Francis article 146

۱۷- جمیل خانکی۔الاحوال الشخصیہ للاجانب. ص:۱۱۸

۱۸- داحمد یسری . دراسہ مقارنہ عقد الزواج جلد:۲، صفحہ۲۱۲-۲۱۳
۱۹- دکتور عبدالفتاح عبدالباقی، الزواج فی القانون الفرنسی، ص:۱۲۲
۲۰- جمیل خانکی، الاحوال الشخصیہ للاجانب، ص:۱۱۸
۲۱- دکتور عبدالفتاح عبدالباقی، الزواج فی القانون الفرنسی، ص:۱۴۳
22- Abigail Geiger, Gretchen living ston (13 feb 2018) 8 facts about love and marriage in america research center survey
23- Marriae law of fifty states,uk.gov
۲۴۔ ملکہ زرار، موسوعۃ الزواج والعلاقات الزوجیہ. ص:۴۳
۲۵- نجیب جبریل، قضاء الاحوال الشخصیہ لغیر المسلمین، ص:۲۵
۲۶- دکتور عبدالفتاح عبدالباقی، الزواج فی القانون الفرنسی، ص:۱۲
۲۷- جمیل خانکی، الاحوال الشخصیہ للاجانب، ص:۱۱۸
۲۸- الدکتور منذر الفضل، نظام الاسرۃ فی القانون السویدی، ص:۲۱۰
29- Wests encyclopaedia of American law Jeffrey lehmon and Shirley Phelps11 Dec 2007’ volume 8,2nd ed. Brigham young university
30- Loe WY Arnold H. (1975)criminal law in a nutshell 2nd ed. West publishing co.131
۳۱- آگسٹین، The Good of Marriage باب15، پیرا17
32- Sarah B "Spartan Women"Pomeroy,Oxford University Press2007,page 46
33- Family law review interim report page:20
۳۴- دکتور عبدالفتاح عبدالباقی، الزواج فی القانون الفرنسی، ص:۳۴
35- Family law review page 26
۳۶- ڈ/ احمد یسری دراسہ مقارنہ عقد الزواج جلد1 ص:211
37- united state wedding traditions Euroevents and Travel,LLC,Retrieved 8 november 2011
۳۸- مخلوف البدوی المنیاوی، المقارنات التشریعیۃ الغربیۃ، جلد:۲، ص:۳۸۷
39- Nadelson,carol:Malkah,to marry or not to marry,a choice retrived,4 november 2011
40- Tax benefits and change after marriage h and r block text information centre 25September 2014

41- Statistical abstract of the United States census bureau 2006
wikipedia.org wiki marriage in the United States
۴۲۔ ترمذی۔کتاب النکاح، باب ماجاء فی النظر الی المخطوبۃ ۱۰۸۷
۴۳۔ مسلم بن الحجاج/صحیح مسلم- حدیث نمبر:۱۵۰۴
۴۴۔ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الشروط فی النکاح، نمبر:۱۵۱
۴۵۔ صحیح مسلم: کتاب الحج، باب فی المتعۃ بالحجّ والعمرۃ۔ ۱۲۱۷
۴۶۔ ابنِ عابدین، ردالمختار، دارالفکر، بیروت، جلد:۳، ص:۵۱
۴۷۔ عبداللہ الطیار۔الفقہ المیسر ۔ص:۴۹
۴۸۔ https://darulifta-deoband.com/home/ur/nikah-marriage/11763
۴۹۔ صحیح بخاری، کتاب الھبۃ وفضلھا، باب ھبۃ المرأۃ لغیر زوجھا، حدیث:۲۴۵۳
۵۰۔ https:www.al-jazirah.com/2008/20080125/is5.htm

قرآن اور اہلِ کتاب

☆ حکایت ☆ عبرت ☆ نصیحت

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

قرآنِ کریم میں اہلِ کتاب (یہود و نصاری) کے حالات پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات، ان کی بداعتقادیوں اور بداعمالیوں کی تفصیلات اور ان کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی جانے والی سزاؤں اور تنبیہوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اہلِ کتاب کے اس مفصل تذکرہ کا مقصد کیا ہے؟اس میں مسلمانوں کے لیے عبرت و نصیحت کے کون سے پہلو ہیں؟ اور اس سے انہیں کیا رہ نمائی ملتی ہے؟اس کتاب میں ان موضوعات سے بحث کی گئی ہے۔

صفحات:۳۰۴ || قیمت =/۱۶۰ روپئے

تہذیب و سیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار

(مقالات سمینار)

مرتبین: ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحیؒ/مولانا محمد جرجیس کریمی

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ کی جانب سے منعقدہ سمینار مؤرخہ ۲۳-۲۴/فروری ۲۰۱۴ء کے مقالات کا مجموعہ، جس میں تحریک اسلامی ہند کے اکابر اور قائدین کے خطبات کے علاوہ ملک کے ممتاز مفکرین اور دانش وروں کے کل چھتیس (۳۶) مقالات شامل ہیں۔ ان مقالات میں تہذیب و سیاست کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے، جن میں مغربی اور اسلامی تہذیبوں کے اجزائے ترکیبی، ان کے درمیان موجود فرق و امتیازات، تہذیبوں کے تصادم کا موجودہ نظریہ، امت مسلمہ کی موجودہ تہذیبی و سیاسی صورت حال، قرآن مجید اور احادیث نبوی میں حکومت و سیاست کے تصورات، موجودہ طریقۂ انتخاب، پارلیمانی نظامِ حکومت، تکثیری معاشرے کے مسائل جیسے اہم مباحث اور معروف علمائے سلف اور جدید مفکرین کی وقیع کتب کے تجزیاتی مطالعے پیش کیے گئے ہیں۔

یہ ایک ایسی دستاویز ہے، جو قوم و ملت کی علمی رہ نمائی اور موجودہ پیچیدہ حالات کے تقاضوں کے فہم و ادراک اور اس کی روشنی میں اپنے لائحۂ عمل کی تعیین میں ممدّ و معاون ثابت ہوگی۔

دیدہ زیب ٹائٹل، بہترین کاغذ اور معیاری طباعت

کل صفحات ۸۳۶، قیمت: ۶۰۰ روپے صرف

ملنے کے پتے

مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی، نبی نگر، جمال پور، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، D-307، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

قرآنی قَسموں کی حکمت

—————— پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی

بات چیت میں قسم کھانا ایک معروف سماجی طریقہ ہے۔ قسمیں اس لیے کھائی جاتی ہیں تا کہ اپنی بات میں زور پیدا کیا جائے اور دوسروں کو اپنی بات کی صداقت پر اطمینان دلایا جائے۔ کبھی مخاطب خالی الذہن ہوتا ہے تو سادہ سی بات سے کام چل جاتا ہے، مگر کبھی اس کے ذہن میں شک وشبہ ہوتا ہے یا وہ انکار کا رویہ اپناتا ہے تو اس کو قائل کرنے کے لیے قسمیں کھائی جاتی ہیں یا شہادت پیش کی جاتی ہے۔ یہ دونوں طریقے ہمیشہ سے معروف رہے ہیں۔

دوران گفتگو قسم کھانا صرف آج کی دنیا کا دستور نہیں ہے، بلکہ قدیم زمانہ سے رائج ہے۔ یہاں تک کہ روز ازل سے قسم کھانے کا سلسلہ جاری ہے۔ حضرت آدمؑ وحوا کو جب ابلیس نے بہکایا اور ان کو جنت سے نکلوانے کا منصوبہ بنایا تو ان کے سامنے قسمیں کھا کر اطمینان دلایا کہ وہ ان کا دشمن نہیں، بلکہ خیر خواہ ہے۔ قرآن پاک میں ابلیس کا مکالمہ نقل کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ (الاعراف:۲۱)

’’ابلیس نے ان کے سامنے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔‘‘

انبیاء کرام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں صراحت ہے کہ انہوں نے قسم کھائی کہ وہ اپنے معاشرہ کی بت پرستی پر ضرب لگائیں گے۔ قرآن پاک میں ان کا اپنی قوم کے ساتھ مکالمہ مذکور ہے، انہوں نے کہا۔

وَتَاللّٰهِ لَأَكِيْدَنَّ أَصْنَامَكُم بَعْدَ أَن تُوَلُّوا مُدْبِرِيْنَ (الانبیاء:۵۷)

’’اللہ کی قسم۔ میں تمہارے بتوں کے بارے میں تدبیریں کروں

گا، جب تم لوگ جاؤ گے پیٹھ پھیر کر۔''

انبیاء بنی اسرائیل میں بھی قسم کھانے کا رواج رہا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے حضرت یوسفؑ کی جدائی پر ان کے رنج وغم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

تَاللہِ تَفۡتَأُ تَذۡکُرُ یُوسُفَ حَتَّی تَکُونَ حَرَضاً أَوۡ تَکُونَ مِنَ الۡهَالِکِیۡنَ (یوسف: ۸۵)

''اللہ کی قسم۔ آپ یوسف کا تذکرہ نہیں چھوڑیں گے، یہاں تک کہ آپ گُھٹ کر رہ جائیں یا ہلاک ہو جائیں۔''

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے پاس اللہ کے دین کی دعوت لے کر گئے تو اس نے آپ کی دعوت کو رعونت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور آپ کو جادوگر کہہ کر ملک کے نام ور جادوگروں کو آپ سے مقابلہ کے لیے بلا لیا۔ اس موقع پر جادوگروں نے فرعون کے دبدبہ کی قسم کھاتے ہوئے کہا تھا:

وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرۡعَوۡنَ إِنَّا لَنَحۡنُ الۡغَالِبُونَ (الشعراء: ۴۴)

''انہوں نے کہا فرعون کی عزت کی قسم کہ ہم لوگ غالب ہو کر رہیں گے۔''

دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بائبل میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے حواریوں کو قسمیں کھانے سے منع فرمایا تھا۔ پہاڑی کا وعظ، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منقول ہے، اس میں کہا گیا ہے:

''پھر تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ تو جھوٹی قسم نہ کھا، بلکہ اپنی قسمیں خداوند کے لیے پوری کر، لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ ہرگز قسم نہ کھانا، نہ تو آسمان کی، کیوں کہ وہ خدا کا تخت ہے، نہ زمین کی، کیوں کہ وہ اس کے پیروں کی چوکی ہے اور نہ یروشلم کی، کیوں کہ وہ شاہ عظیم کا شہر ہے اور نہ اپنے سر کی قسم کھا، کیوں کہ تو ایک بال کو سفید یا سیاہ نہیں کر سکتا، مگر تمہارا کلام ہاں، ہاں ہی ہو۔ تمہارا نہیں، نہیں۔ کیوں کہ جو اس سے زیادہ ہے بدی ہے۔''[۱]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قسم کھانے کی جو ممانعت فرمائی وہ عام حکم نہیں، بلکہ اپنے حواریوں کو نصیحت ہے۔ کیوں کہ حضرت عیسیٰؑ شریعت موسوی کو منسوخ کرنے نہیں، بلکہ اس کی تبلیغ کرنے آئے تھے۔ اسی لیے انہوں نے واضح فرمایا کہ تم سے پہلے کے لوگوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ خدا کے لیے کھائی گئی قسموں کو پوری کریں۔

بنی اسرائیل کے دوسرے انبیاء کے سلسلے میں ہمیں معلوم ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی دعوت پر ایمان لانے کے لیے اور اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لیے قسمیں کھاتے تھے۔ بائبل میں حضرت ایوب علیہ السلام کی طویل بیماری کا اور شفایابی کا مفصل تذکرہ آیا ہے۔۲ قرآن کریم میں بھی متعدد سورتوں میں ان کا ذکر آیا ہے، حضرت ایوبؑ نے اپنی بیوی کی کسی بات سے ناراض ہوکر ان کو سزا دینے کی قسم کھالی۔ تو اللہ نے ان کو حکم دیا:

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثاً فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ (ص:۴۴)

''اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھا لو پھر اس سے مارو اور قسم میں جھوٹا نہ ہو۔''

قرآن پاک میں بنی اسرائیل کے تین رسولوں کی دعوت کا تذکرہ ہے۔ ان کی قوم نے جب ان کو جھٹلایا تو انہوں نے اپنی قوم کو اپنی رسالت کا یقین دلاتے ہوئے فرمایا:

قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ. وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (یٰس:۱۶۔۱۷)

''ان رسولوں نے کہا کہ ہمارا رب شاہد ہے کہ ہم لوگ تمہاری طرف رسول بنائے گئے ہیں اور ہمارے اوپر صاف طریقہ سے پیغام پہنچانے کی ذمہ داری ہے۔''

قرآن پاک عرب کے لوگوں پر نازل ہوا۔ ان کے معاشرہ میں قسمیں کھانا اور اپنی بات کی تاکید قسموں کے ذریعہ کرنا معروف تھا۔ عربوں کے خطبات اور قدیم عربی شاعری میں قسم کھانے کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ حاتم طائی کی ماں غنیّۃ کا شعر ہے ؎

لعمري لقد ما عضني الجوع عضة
فآليت الا امنع الدهر جائعاً

(میری جان کی قسم۔ بھوک کی شدّت نے مجھے بہت ستایا تو میں نے قسم کھائی کہ کبھی کسی بھوکے کو محروم نہیں کروں گی۔)

امرأالقیس کا شعر ہے۔

لا وأبيك ابنة العامري

لا يدعي القوم اني أفرّ

(نہیں، تیرے باپ کی قسم، اے عامر کی بیٹی! قوم یہ دعویٰ نہ کرے کہ میں میدان چھوڑ کر بھاگ جاتا ہوں۔)

نابغہ ذبیانی کا شعر ہے۔

فلا لعمر الذي مسحت كعبته

وما هريق على الأنصاب من جسد

(ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس کے کعبہ کا میں نے طواف کیا اور اس خون کی قسم جو تھانوں (بت کدہ) پر بہایا گیا۔)

غنیّۃ اعرابیہ کا شعر ہے۔

أحلف بالمروة يوماً والصفا

انک خير من تفاريق العصا

(میں کبھی مروہ کی قسم کھاتی ہوں اور کبھی صفا کی کہ تو لاٹھی کے ٹکڑے سے زیادہ بہتر ہے۔)

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی قسم کھانے کا حوالہ دیتے ہوئے قرآن مجید میں کہا گیا ہے:

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَى مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ فَلَمَّا جَاءهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُوراً (فاطر:۴۲)

''اور وہ لوگ قسمیں کھاتے تھے پختہ قسمیں کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا (نبی) آئے گا تو وہ ہر ایک قوم سے زیادہ ہدایت قبول

کریں گے۔ پھر جب آیا ان کے پاس ڈرانے والا تو ان کی وحشت اور حق سے دوری اور بڑھ گئی۔''

امام فخرالدین رازیؒ کا کہنا ہے کہ قرآن میں بھی عربوں کے اسلوب کے مطابق قسم کھائی گئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''عرب جھوٹی قسم سے بہت ڈرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس کی وجہ سے طرح طرح کی مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔ اس کے برے اثر سے زمین بنجر ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً اعلیٰ واشرف چیزوں کی قسم کھاتے تھے، اس لیے عربوں کو خیال ہوتا تھا کہ اگر یہ قسمیں جھوٹی ہوتیں تو اس کا وبال ضرور آپؐ پر ہوتا اور اس کی نحوست سے آپؐ ہرگز نہیں بچ سکتے''[۳]

زمانۂ جاہلیت میں عرب لات ومنات اور دوسرے بتوں کی قسم کھاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بتوں کی قسم کھانے کے بجائے اللہ کی قسم کھانے کا حکم دیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''من حلف فقال في حلفه باللات والعزیٰ فلیقل لا الٰه الا الله''[۴]

''جس شخص نے لات وعزیٰ کی قسم کھائی اسے لا الٰہ الا اللہ کہنا چاہیے۔''

قرآن پاک میں جھوٹی قسمیں کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ لغو قسم کھانے پر معافی دی گئی ہے، البتہ سنجیدہ قسم کھانے پر تعمیل نہ کرنے کی صورت میں کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلاَ تَجْعَلُواْ اللّهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ أَن تَبَرُّواْ وَتَتَّقُواْ وَتُصْلِحُواْ بَيْنَ النَّاسِ وَاللّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ. لاَّ يُؤَاخِذُكُمُ اللّهُ بِاللَّغْوِ فِيَ أَيْمَانِكُمْ وَلَكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ وَاللّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ (البقرہ:۲۲۴۔۲۲۵)

’’اور اللہ کو اپنی قسموں کے لیے نشانہ نہ بناؤ کہ اچھا سلوک کرنے ، پرہیزگاری کرنے اور لوگوں میں صلح کرانے سے بچ جاؤ۔ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ اللہ تمہارا مواخذہ تمہاری لغو قسموں پر نہیں کرے گا۔ لیکن ان قسموں پر پکڑے گا جن کا تمہارے دلوں نے ارادہ کیا اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔‘‘

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جو قسمیں کھائی ہیں ان میں بڑی بلاغت، حکمت، خوب صورتی اور دل کشی ہے۔ مولانا حمید الدین فراہیؒ نے قرآنی قسموں کی بلاغت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

’’تمام اسالیب کلام میں مصوری کے لیے قسم سے زیادہ موزوں کوئی اسلوب نہیں ہے۔ کیوں کہ جس چیز کی قسم کھاتے ہیں، گویا اس کو ایک گواہ بنا کر مخاطب کے سامنے کھڑا کرتے ہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ سورتوں کا آغاز نادر اور بوقلموں تصویروں سے کیا جائے تو ان کو خاص خاص قسموں سے مزیّن کیا۔ یہ تصویریں مختلف قسم کی ہیں۔ کہیں یہ ایک ہی چیز کی تصویر ہے، مثلا لکھنے والا قلم ، چمکنے والا ستارہ، دوڑنے والے گھوڑے ، غبار انگیز ہوائیں، صف بستہ فرشتے، بعض جگہ یہ تصویریں مختلف چیزوں کی ہیں۔ لیکن جامع رشتہ نے ان سب کو ایک البم میں جمع کر دیا ہے۔‘‘ [۵]

قرآن مجید میں قسم کھانے کے لیے متعدد الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ایک لفظ ’قسم‘ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ . وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ (الواقعہ:۷۵-۷۶)

’’ہرگز نہیں میں ستاروں کے مقامات کی قسم کھاتا ہوں اور وہ بڑی قسم ہے، اگر تم جان لو۔‘‘

دوسرا لفظ ’حلف‘ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَيَحْلِفَنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَى (التوبہ:۱۰۷)

''وہ لوگ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی کا ارادہ کیا تھا۔''

تیسرا لفظ 'یمین' ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا (النحل:۹۱)

''اور تم لوگ پختہ قسمیں کھانے کے بعد ان کو نہ توڑو، حالاں کہ تم لوگوں نے اللہ کو اپنے اوپر ضامن ٹھہرایا ہے۔''

قسم کے ان معروف الفاظ کے علاوہ میثاق، تاذّن اور ایلا کے الفاظ بھی قرآن مجید میں قسم کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ میثاق کا تذکرہ تو قرآن شریف میں جگہ جگہ موجود ہے، مثلاً:

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ (آل عمران:۱۸۷)

''اور جب قسم لیا اللہ نے اہل کتاب سے کہ تم اللہ کے حکم سے لوگوں کو آگاہ کروگے اور اسے نہ چھپاؤ گے۔''

اسی طرح 'تاذّن' کا لفظ بھی متعدد جگہ پر قسم کے لیے استعمال ہوا ہے، مثلاً:

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ (الاعراف:۱۶۷)

''اور جب تیرے رب نے قسم کھائی کہ قیامت تک ان لوگوں پر ایسے لوگ مسلط کیے جاتے رہیں گے جو ان کو بری سزا دیں گے۔ بے شک تیرا رب جلد بدلہ لینے والا ہے۔''

عربوں میں قسم کے لیے لفظ ایلاء کا بھی استعمال ہوتا تھا۔ طرفہ کا شعر ہے ؎

فآليت لا ينفك كشحي بطانة

لعضب رقيق الشفرتين مهند

(پس میں نے قسم کھائی ہے کہ میرا پہلو ایک تیز دھار دار تلوار سے کبھی خالی نہ ہوگا۔)

عرب میں جب شوہر اپنی بیوی سے ترکِ تعلق کی قسم کھاتا تھا تو اس کو ایلاء کہتے تھے۔قرآن پاک میں اس سلسلہ میں مذکور ہوا ہے:

لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَآؤُوا فَإِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (البقرة:۲۲۶)

''جولوگ قسم کھالیتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس نہ جانے کی، ان کے لیے مہلت ہے چار مہینہ کی۔ پھر اگر وہ باہم مل گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

قرآن پاک میں قسموں کے لیے کچھ حروف بھی معروف ہیں، مثلاً ب، ت، ل، واو وغیرہ

حرف 'ب' کے ذریعہ اس طرح قسم کھائی گئی ہے:

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ (ص:۸۲)

''ابلیس نے کہا کہ اے رب! تیری عزت کی قسم میں ان سب کو بہکا دوں گا۔''

حرف 'ت' کے ذریعہ جو قسمیں کھائی گئیں ان میں سے ایک یہ ہے:

تَاللّهِ لَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنتُمْ تَفْتَرُونَ (النحل:۵۶)

''اللہ کی قسم۔تم لوگ جو افترا پردازیاں کرتے ہو اس کے بارے میں تم سے سوال ہوگا۔''

'ل' کے ذریعہ جو قسمیں کھائی گئیں ان میں ایک یہ ہے۔

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ (الحجر:۷۲)

''آپ کی زندگی قسم۔وہ لوگ اپنے نشہ میں مدہوش ہیں۔''

قرآن میں سب سے زیادہ قسمیں حرف 'واؤ' کے ذریعہ کھائی گئی ہیں۔مثلاً:

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ. وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ. وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ (البروج)

''قسم ہے بروج والے آسمان کی اور قسم ہے قیامت کے دن کی اور قسم

ہے دیکھنے والے اور دکھائی دینے والے کی۔''

والضحیٰ واللیل اذاسجٰی (الضحیٰ:۱۔۲)

''قسم ہے چاشت کی اور قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے۔''

واضح رہے کہ واو اسی وقت قسم کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے جب وہ کلام کے آغاز میں آئے۔ جب وہ درمیانِ کلام میں آتا ہے تو قسم کے معنٰی میں نہیں، بلکہ عطف کے معنٰی میں آتا ہے، یعنی ماقبل کے الفاظ کو مابعد سے جوڑنے کے لیے آتا ہے۔لیکن درمیان کلام میں اگر اللہ اور رب سے پہلے آتا ہے تو قسم کے معنٰی میں بھی آتا ہے، مثلاً:

قَالُواْ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْن (الانعام:۲۳)

''قیامت میں مشرکین کہیں گے اللہ کی قسم ہم مشرک نہ تھے۔''

اسی طرح حسب ذیل آیت دیکھئے:

وَلَوْ تَرَى إِذْ وُقِفُواْ عَلَى رَبِّهِمْ قَالَ أَلَيْسَ هَذَا بِالْحَقّ قَالُواْ بَلَى وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوقُواْ الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُون (الانعام:۳۰)

''جب تم مشرکوں کو اپنے رب کے سامنے کھڑا دیکھو گے، اللہ ان سے کہے گا کہ کیا یہ برحق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے ہاں قسم ہے رب کی۔ اللہ کہے گا تو اپنے کفر کے عذاب کا مزہ چکھو۔''

قرآن مجید میں قسم کھانے کا ایک اسلوب یہ ہے کہ کبھی قسم سے پہلے نفی آتی ہے، جس میں مخاطب کے عقیدہ اور خیال کا انکار ہوتا ہے، یا قسم کھانے کی ضرورت کا انکار ہوتا ہے، مثلاً:

لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ وَأَنتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَد (البلد:۱۔۲)

''نہیں، میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی اور آپ اس شہر میں موجود ہیں۔''

لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (القیامۃ:۱۔۲)

''نہیں، میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور نہیں، قسم کھاتا ہوں نفس لوامہ کی۔''

مفسرین قرآن اور ماہرین لغات القرآن کا ایک بڑا طبقہ کہتا ہے کہ کفار

ومشرکین کے عقیدہ وگمان اورتوحید ومعاد کی دعوت سے اعراض پرنکیر کرنے کے لیے قسم سے پہلے 'لا' کا استعمال کیا گیا ہے اوراپنی بات کی تاکید کے لیے اللہ نے قسم کھائی ہے۔ چنانچہ مشہور مفسر قرآن علامہ ابن کثیرؒ سورۃ القیامۃ کے آغاز کے بارے میں کہتے ہیں:

''جس چیز پر قسم کھائی جارہی ہے وہ اگرنفی کے قبیل کی ہوتو قسم سے پہلے 'لا' کا آنا درست ہے، تاکہ نفی کی تاکید ہوجائے۔ یہاں مقسم علیہ آخرت کا اثبات اور کافروں کے عقیدہ عدم معاد اور عقیدۂ عدم بعثت کا رد ہے'' ۶

مفسرین کا دوسرا طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ اس میں مخاطب کی ذہنیت کا انکار نہیں، بلکہ قسم کی ضرورت کا انکار ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطی کہتی ہیں:

''لااقسم کی آیات کے سیاق میں تدبر کرنے سے کیا اس کا یہ بیانی راز عیاں نہیں ہوتا کہ اللہ کو قسم کھانے کی ضرورت ہی نہیں؟ قسم کھانے کی ضرورت تو ہم انسانوں کو ہوتی ہے۔ قسم کے ذریعہ ہم لوگ اتّہام کے مظنّہ یا شک کو دور کرتے ہیں۔ اس طرح ہم اس اسلوب کے استعمال میں عربی زبان کا راز دیکھتے ہیں کہ اس میں اعتماد اور یقین کے وقت قسم کھانے کی ضرورت نہیں رہتی'' ۷

مولانا حمید الدین فراہی 'لا' کو بعد کے جملہ سے منفصل اور جدا مانتے ہیں کہ اس سے مراد مخاطب کے خیال کی تردید ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''قسم سے پہلے 'لا' کا منفصل آنا عربی زبان کا ایک معروف اسلوب ہے۔ 'کلاّ' بھی بالکل اسی نوعیت سے آیا کرتا ہے، مثلا کلاّ والقمر (کچھ نہیں چاند کی قسم) اوران دونوں کی تکرار بھی بالکل یکساں نوعیت رکھتی ہے۔ مثلا کلاّ سوف تعلمون ثم کلاّ سوف تعلمون'' ۸

قرآن کریم میں زیادہ تر قسمیں توحید، رسالت اورآخرت کے اثبات کے لیے کھائی گئی ہیں۔ مثلاً اللہ وحدہ لاشریک لہ کی معبودیت کی قسم یوں آئی ہے:

وَالصَّافَّاتِ صَفّاً. فَالزَّاجِرَاتِ زَجْراً. فَالتَّالِيَاتِ ذِكْراً. إِنَّ

إِلٰهَكُمْ لَوَاحِد (الصافات: ۱-۴)
''قسم ہے صف باندھنے والوں کی قطار در قطار، پھر ڈانٹنے والوں کی جھڑک کر، پھر پڑھنے والوں کی ذکر کو، بے شک تم سب کا معبود ایک ہے۔''
حضرت محمد ﷺ کی رسالت کے لیے قسم اس طرح کھائی گئی ہے:
یٰس. وَالْقُرْآنِ الْحَكِيْمِ. إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ. عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (یٰس: ۱-۳)
''قسم ہے یٰسین کی اور قرآن حکیم کی کہ بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں، صراط مستقیم پر گامزن ہیں۔''
آخرت اور قیامت کے لیے اس طرح قسم کھائی گئی ہے:
وَالذَّارِيَاتِ ذَرْواً، فَالْحَامِلَاتِ وِقْراً، فَالْجَارِيَاتِ يُسْراً، فَالْمُقَسِّمَاتِ أَمْراً، إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ، وَإِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ (الواقعة: ۱-۶)
''قسم ہے بکھیرنے والی، پھر بوجھ اٹھانے والی کی، پھر آسانی سے چلنے والی کی، پھر حکم بانٹنے والی کی کہ تم سے جو وعدہ کیا گیا ہے وہ سچا ہے اور بے شک قیامت برپا ہونے والی ہے۔''
دوسری جگہ ہے:
فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيّاً (مریم: ۶۸)
''تمہارے رب کی قسم! ہم ان مشرکوں کو اور شیاطین کو جمع کریں گے، پھر ہم ان کو جہنم کے پاس گھٹنے کے بل حاضر کریں گے۔''
امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:
'' اللہ نے توحید اور نبوت پر زیادہ قسمیں نہیں کھائی ہیں، زیادہ قسمیں قیامت کے بارے میں کھائی ہیں۔ اس لیے کہ توحید کے دلائل بہت ہیں اور سب عقلی ہیں۔ اسی طرح نبوت کے دلائل بھی بہت ہیں اور وہ

مشہور ومتواتر معجزات ہیں۔لیکن قیامت کا امکان تو عقل سے ثابت ہوسکتا ہے، مگراس کے وقوع کا اثبات کلام الٰہی کوسن کر ہی ہوسکتا ہے، اس لیے قیامت پر زیادہ قسمیں کھائی گئیں'' ۹

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تقریباً سات(۷) مقامات پر اپنی ذات کی قسم کھائی ہے، باقی مقامات پر اپنی تخلیقات یعنی کائنات کی قسم کھائی ہے ،مثلاً زمین ،آسمان ، چاند،سورج،ستارے ،دن ، رات ،اشجار، پہاڑ وغیرہ۔

سوال یہ ہے کہ قسم اپنے سے بلند و بالا چیز کی کھائی جاتی ہے،کم تر چیز کی نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سب کا خالق اورسب سے بلند و برتر ہے۔ وہ اپنے سے کم تر چیزوں کی قسم کیوں کھا تا ہے؟ یہ اس کی شان رفعت کے منافی ہے۔خودرسول اللہ ﷺ نے غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع فرمایاہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" انّ اللّٰہ ینھاکم أن تحلفوا بآبائکم ،من کان حالفا فلیحلف باللّٰہ أو لیصمت ۱۰

''اللہ تعالیٰ نے آباء واجداد کی قسم کھانے سے تم لوگوں کو روکا ہے۔ جو شخص قسم کھائے وہ اللہ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے۔''

مفسرین نے اس سوال کے متعدد جوابات دیے ہیں:

ایک جواب یہ دیا ہے کہ عرب ان چیزوں کی تعظیم کرتے تھے اور ان کی قسم کھاتے تھے۔اس لیے قرآن میں بھی ان کی قسم کھائی گئی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ قسم ان چیزوں کی کھائی جاتی ہے جو عظمت والی ہو اور اللہ سے زیادہ عظیم کچھ بھی نہیں، اس لیے اللہ نے کبھی اپنی ذات کی اور کبھی اپنی تخلیقات کی قسم کھائی ہے۔اس لیے کہ تخلیق خالق کی دلیل ہوتی ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ کو اختیار ہے کہ وہ جس چیز کی چاہے قسم کھائے ،مگر انسان کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم نہ کھائے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ قسم دو چیزوں کی کھائی گئی ہے: یا تو اس میں فضیلت ہو یا اس میں کوئی منفعت ہو۔[۱۱]

یہ جوابات اطمینان بخش نہیں ہیں۔ زیادہ مناسب توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی قسم کھائی ہے ان کو توحید، رسالت اور آخرت کے برحق ہونے کے لیے بہ طور استشہاد و گواہی کے استعمال کیا ہے۔ کیوں کہ قسم کا اصلی مقصد شہادت ہے اور مخلوق کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے شہادت ہی مراد لی ہے۔ چنانچہ اس کا ارشاد ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لاَ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ وَالْمَلاَئِكَةُ وَأُوْلُواْ الْعِلْمِ قَآئِمَاً بِالْقِسْطِ لاَ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (آل عمرآن:۱۸)

''اللہ نے گواہی دی ہے کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور فرشتوں نے اور اہل علم نے گواہی دی۔ وہ معبود انصاف قائم کرنے والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔''

اہل عرب، جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا، قسم کو شہادت کے معنیٰ میں اور شہادت کو قسم کے معنیٰ میں بہ کثرت استعمال کرتے تھے۔ راعی کا شعر ہے ؎

ان السما و ان الریح شاهدة
والارض تشهد والایام والبلد

(آسمان اور ہوا سب شاہد ہیں، زمین، زمانہ اور شہر اس کی گواہی دیتے ہیں۔)

گواہی درحقیقت ذی روح اور ذی عقل انسان دیتا ہے۔ غیر ذی روح کی شہادت استشہاد و استدلال کے معنیٰ میں ہوتی ہے۔ یہی اسلوب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جگہ جگہ اختیار کیا ہے۔ خواہ آسمان، زمین، چاند، ستاروں کی قسم ہو یا انجیر، زیتون اور کوہِ طور کی قسم ہو، اسے شہادت اور دلیل ہی کے معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں:

''ان الأيمان التى حلف تعالىٰ بها كلها دلائل أخرجها فى صورة الايمان.'' [۱۲]

''اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی قسم کھائی ہے وہ سب دلائل ہیں قسم کی

شکل میں ان کو بیان کیا گیا ہے۔"

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

"قرآن کریم کی قسموں کا تتبع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عموماً مقسم بہ مقسم علیہ کے لیے بطور ایک شاہد یا دلیل کے ہوتا ہے"[۱۳]

مولانا حمید الدین فراہیؒ لکھتے ہیں:

"بظاہر یہ ایک مبالغہ کا اسلوب ہے، لیکن اس کی بنا واقفیت پر ہے، کیوں کہ اس سے مراد مقسم علیہ کی انتہائی شہرت اور اس کے متعلق عمومی واقفیت کا اظہار ہے۔ اوپر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو قسم گزر چکی ہے وہ بھی اسی باب سے تعلق رکھتی ہے۔ انھوں نے بھی آسمان و زمین کو گواہ ٹھہرایا ہے"[۱۴]

مولانا فراہی سورہ الشّمس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"قسم کے اسلوب پر دلائل فطرت کے بیان اور پھر ان کے بعد تاریخی شہادتوں کے ذکر کی مثال سورہ الفجر میں ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے فجر کی دس راتوں کی، جفت اور طاق کی اور شب کی (جب کہ وہ ڈھل جائے) گواہیاں پیش کی ہیں۔ اس کے بعد دنیا کی بعض سرکش قوموں، مثلاً عاد، ثمود اور فرعون کے حالات و واقعات بہ طور شہادت سنائے ہیں۔ یہی انداز سورۂ والذاریات میں بھی ہے۔ پہلے دلائلِ فطرت بیان ہوئے ہیں، اس کے بعد قومِ لوط، قومِ عاد، قومِ ثمود اور قومِ نوح کی سرگزشتوں کو تاریخی شہادت کے طور پر پیش کیا ہے۔"[۱۵]

خلاصۂ کلام یہ کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جو قسمیں کھائی ہیں وہ عربوں کے معروف اسلوب اور انبیاء سابقین کے مروّجہ طریقہ کے مطابق ہیں۔ اس سے قول کی تائید و تاکید ہوتی ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات یا صفات کی قسم کھائی ہے وہاں عظمت کا پہلو ضرور موجود ہے، لیکن جہاں اس نے اپنی مخلوقات کی قسم کھائی ہے وہاں استشہاد اور استدلال کا پہلو پایا جاتا ہے۔ اسی نکتہ کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَفِي الْأَرْضِ آيٰتٌ لِّلْمُوقِنِينَ. وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلا تُبْصِرُونَ.
وَفِي السَّمَاء رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (الذاریات: ۲۰-۲۲)
''اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لیے اور تمہاری ذات میں بھی نشانیاں ہیں کیا تم دیکھتے نہیں؟ اور آسمان میں بھی تمہاری روزی ہے اور وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔''

حواشی و مراجع

۱۔ عہد نامہ جدید، کتاب متی، باب ۵، آیت ۳۳، ۳۷

۲۔ ایضاً، باب ایوب،

۳۔ فخر الدین رازی، التفسیر الکبیر، دار احیاء التراث العربی، بیروت، تفسیر سورۃ الذاریات

۴۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذر، باب لا یحلف باللات والعزیٰ

۵۔ عبدالحمید الفراہی، امعان فی اقسام القرآن، دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۱۹۸۲ء، ص ۶۱، ۶۲

۶۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار الخیر، بیروت، ۱۹۹۰ء، سورۃ القیامۃ

۷۔ عائشہ عبد الرحمٰن بنت الشاطی، قرآن کریم کا اعجاز بیان، اردو، ترجمہ: محمد رضی الاسلام ندوی، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۹۱ء، ص ۳۵۶

۸۔ حمید الدین فراہی، تفسیر نظام القرآن، ترجمہ امین احسن اصلاحی، سرائے میر، اعظم گڑھ، ۱۹۹۰ء، ص ۱۹۸

۹۔ التفسیر الکبیر، سورۃ الذاریات

۱۰۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذر، باب لاتحلفوا بابائکم

۱۱۔ جلال الدین السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، دار الندوۃ الجدیدۃ، بیروت، جلد ۲، ص ۱۳۴

۱۲۔ التفسیر الکبیر، سورۃ الذاریات

۱۳۔ ترجمۂ قرآن مولانا محمود الحسن، حاشیہ: مولانا شبیر احمد عثمانی، حاشیہ سورۃ الصّافات، آیت نمبر ا

۱۴۔ امعان فی اقسام القرآن، ص ۴۷

۱۵۔ تفسیر نظام القرآن، ص ۲۸۳

اعلانِ ملکیت، سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی، فارم: ۵، رول: ۱۰

۱۔مقام اشاعت: نبی نگر، (جمال پور)،علی گڑھ

۲۔نوعیت اشاعت: سہ ماہی

۳۔ پرنٹر پبلشر: سید جلال الدین عمری

۴۔قومیت: ہندوستانی

پتہ: دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی - ۲۵

۵۔ایڈیٹر: سید جلال الدین عمری،

پتہ: دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی - ۲۵

۶۔ملکیت: ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی،

نبی نگر، (جمال پور)،علی گڑھ

بنیادی ارکان کے اسمائے گرامی

۱۔مولانا سید جلال الدین عمری (صدر)

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی - ۲۵

۲- پروفیسر اشتیاق احمد ظلی (نائب صدر)

اقرا کالونی، نیوسر سید نگر،علی گڑھ

۳- ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی (نائب صدر)

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔۲۵

۴-جناب سید سعادت اللہ حسینی (رکن)

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔۲۵

۵۔جناب ٹی عارف علی (رکن)

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی

۶۔مولانا محمد فاروق خاں (رکن)

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔۲۵

۷۔ پروفیسر ظفرالاسلام اصلاحی (رکن)

اسلام منزل، گلی نمبر ۸، اقرا کالونی، علی گڑھ

۸۔ پروفیسر سید مسعود احمد (رکن)

اقرا کالونی، نیوسر سید نگر،علی گڑھ

۹۔ پروفیسر سعود عالم قاسمی

اقرا کالونی، نیوسر سید نگر،علی گڑھ

۱۰۔انجینیر نسیم احمد خاں

شبلی باغ، علی گڑھ

۱۱۔ڈاکٹر محی الدین غازی

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی

مندرجہ بالا معلومات میرے علم و یقین کی حد تک بالکل درست ہیں۔

پبلشر

سید جلال الدین عمری

ظلم واستبداد- اسلام کا نقطۂ نظر

______ مولانا محمد جرجیس کریمی

ظلم کے معنیٰ لغت میں ہیں'وضع الشیء فی غیر محلّہ 'یعنی کسی چیز کو اس کے صحیح جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنا۔'ظلم الارض ' کا مفہوم ہے زمین کے اس حصے کو کھودنا جسے اس سے پہلے نہ کھودا گیا ہو یا اس کے لیے مناسب نہ ہو۔من استرعی الذئب فقد ظلم کے معنیٰ ہیں'جس نے بھیڑیے کو کسی چیز کا محافظ بنا دیا اس نے انصاف نہیں کیا۔ظلم کے اصل معنیٰ حد سے تجاوز کرنے اور ناانصافی کے ہیں،خواہ تھوڑا تجاوز کیا جائے یا زیادہ۔اس وجہ سے گناہ کو، چاہے کبیرہ ہو یا صغیرہ ،ظلم کہا گیا۔قرآن مجید میں حضرت آدمؑ کے شجر ممنوعہ کا پھل کھالینے کو بھی ظلم کہا گیا ہے! اور ابلیس کے اللہ تعالیٰ کے حکم کی سرتابی کرنے کو بھی ظلم کہا گیا ہے۔ کیوں کہ دونوں نے اپنے حدود سے تجاوز کیا تھا،حضرت آدم وحواؑ نے اپنی غلطی سے توبہ کی اور ان کی توبہ قبول ہوئی۔ ابلیس نے اپنی غلطی پر اصرار کیا اور ملعون قرار پایا۔

ظلم کی اقسام

قرآنی آیات کی روشنی میں ظلم کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

پہلی قسم: انسان کا اللہ تبارک وتعالیٰ کے حق میں ظلم۔ اس کی سب سے واضح صورت شرک، کفر اور نفاق ہے۔ اللہ رب العزت کی ذات وصفات اور الوہیت میں کسی کو شریک کرنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ خالق کو مخلوق کے مقام پر رکھا جائے یا مخلوق کو خالق کے مقام پر۔ ظاہر ہے کہ نہ مخلوق اس کے لائق ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی کے لیے یہ زیبا ہے۔ اس لیے اس کو ظلم کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْم (لقمان۱۳)

(بے شک [اللہ کے ساتھ] کسی کو شریک ٹھہرانا سب سے بڑا ظلم ہے۔)

دوسری قسم: انسان کا اپنے نفس پر ظلم کرنا ہے۔ گناہ کی تمام اقسام کو ظلم کہا گیا ہے۔ کیوں کہ اس کے مرتکب کا وبال اس کی طرف لوٹ کر آئے گا۔ یہ ظلم اس لیے ہے کہ اور آدمی نے گناہ کر کے اپنے آپ کو ایسے مقام پر لا کھڑا کیا جو اس کے لیے موزوں نہیں تھا۔

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ (الفاطر۳۲)

(ان میں کچھ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ بیچ کی راہ پر ہیں اور کچھ لوگ اللہ کے اذن سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔ یہ بہت بڑا افضل ہے۔)

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ارشاد ہے کہ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا ہے، مگر خود ہی ظلم کرنے والے تھے۔

وَمَا ظَلَمُونَا وَلَـٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (البقرہ ۵۷)

(وہ ہم پر ظلم نہ تھا بلکہ انھوں نے آپ اپنے ہی اوپر ظلم کیا۔)

تیسری قسم: ایک انسان کا دوسرے انسان پر ظلم کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَّا يُحِبُّ اللَّـهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَن ظُلِمَ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعاً عَلِيما (النساء:۱۴۸)

(اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بد گوئی پر زبان کھولے، الّا یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔)

ذیل میں قرآن و حدیث کے نصوص کی روشنی میں وضاحت کی جائے گی کہ مظلوم کسے کہا جاتا ہے؟ ظلم کی کیا کیا صورتیں ہیں؟ ظلم کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے؟

۱۔ کسی کا ناحق قتل کرنا:

اللہ تعالیٰ اس کائنات کا مالک حقیقی ہے، وہ اس دنیا میں امن و سلامتی چاہتا ہے، وہ نہیں چاہتا کہ اس کے بے قصور بندوں کو ستایا جائے، طاقت ور کم زوروں کا حق ماریں اور ان کا جینا دوبھر کر دیں، دنیا میں ظلم و فساد اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو اور لوگوں پر جبراً اپنی مرضی مسلط کی جائے۔ دھن دولت، ہوس، جہاں گیری و کشور کشائی کے

تحت انصاف کا خون کیا جائے۔ طاقت کا بے جا استعمال کر کے خدا اور طاغوت بن کر اللہ کے بندوں پر اپنی خدائی چلائی جائے اور انسانی شرف و کرامت کا جنازہ نکال دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فتنہ قرار دیا ہے، جس کے اثرات ہمہ گیر صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی جان کو محترم ٹھہراتے ہوئے کسی انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے۔[المائدۃ: ۳۲] اور حکم دیا ہے کہ اللہ نے جس جان کو حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرو، ارشاد ہے:

وَلاَ تَقْتُلُواْ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ إِلاَّ بِالحَق (الاسراء:۳۳)

(قتل نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے، مگر حق کے ساتھ)

کسی کا قتل کرنا مختلف طریقے سے ہوسکتا ہے۔ خفیہ، علانیہ، انفرادی، اجتماعی، اسی طرح قتل کے لیے کوئی بھی ذریعہ اختیار کیا جاسکتا ہے، گردن اڑا دینا، گولی مار دینا، زہر دے دینا، بھوک سے مار ڈالنا یا پھانسی پر لٹکا دینا، اسلام میں ہر طریقے اور ذریعہ کی شناعت وقباحت یکساں ہے۔

انسانی تاریخ میں رزق کی تنگی کے ڈر سے اولاد کے قتل کا رواج قدیم زمانے سے رہا ہے، خصوصاً لڑکیوں کے قتل سے پوری انسانیت کی تاریخ رنگین ہے۔

قرآن مجید نے اس سے منع کیا ہے اور یقین دلایا ہے کہ جس طرح تمھیں اللہ تعالیٰ رزق دے رہا ہے، اسی طرح انھیں بھی دے گا۔

وَلاَ تَقْتُلُواْ أَوْلاَدَکُمْ خَشْیَۃَ إِمْلاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُھُمْ وَإِیَّاکُم إِنَّ قَتْلَھُمْ کَانَ خِطْأً کَبِیْراً (الاسراء:۳۱)

(اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو ہم انھیں بھی رزق دیں گے اور تمھیں بھی۔ درحقیقت ان کا قتل ایک بری خطا ہے۔)

۲۔ لوگوں کو غلام بنانا

انسانی تاریخ میں ظلم کی ایک بھیانک شکل غلامی کی رائج رہی ہے۔ اس کے مطابق فرد کی شخصی آزادی سلب کرلی جاتی تھی اور انسان مال و جائیداد کی طرح آقا کی ملکیت سمجھا جاتا تھا۔ بسا اوقات پوری قوم غلامی کی زنجیر میں جکڑی رہی ہے، جیسا کہ بنی

اسرائیل کے تعلق سے قرآن میں وارد ہے:

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ (الشعراء:۲۲)

(رہا تیرا احسان جو تو نے مجھ پر جتایا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنالیا تھا۔)

موجودہ دور میں اگرچہ غلامی کی معروف شکل ختم ہوچکی ہے، مگر نیم غلامی، بندھوا مزدوری، جنسی اسمگلنگ، جبری مشقت، جبری شادی اور بچوں سے مشقت کی کئی شکلیں پائی جاتی ہیں۔

۳۔لوگوں کو ان کے گھروں سے نکالنا

انسان، گھر، خاندان اور بستیاں آباد کر کے رہتا ہے۔ اور جہاں اس کی پیدائش ہو، خاندان کے افراد رہ بس رہے ہوں وہاں سے اس کو یک گونہ محبت ہوتی ہے۔ جس کو وہ ترک کرنا نہیں چاہتا۔لیکن اگر ایسے حالات پیدا کر دیے جائیں کہ وہ اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو جائے تو یہ اس پر ظلم ہے۔آج دنیا میں ایسے کروڑ ہا کروڑ انسان ہیں جو اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہیں اور ان کو مجبور کرنے والے بھی انسان ہیں جن کے دل رحم کے جذبات سے خالی ہیں۔آج کی ظالم قومیں نہ اللہ کے عہد کو نبھاتی ہیں اور نہ اقوامِ متحدہ سے کیے گئے معاہدے کو پورا کرتی ہیں۔ اقوامِ متحدہ کے منشور میں بھی ایک دوسرے کو قتل اور ان کے گھر بار اجاڑنے سے روکا گیا ہے۔

انفرادی اور سماجی طور پر کسی کی زمین پر قبضہ جما لینا یا غصب کر لینا یا وراثت میں حصہ پانے والے کو اس کا حق نہ دینا، یہ سب بھی مظالم کی مختلف صورتیں ہیں، جن کے بارے میں شریعت میں روکا گیا ہے۔ارشاد نبوی ﷺ ہے:

من ظلم قيد شبر من الارض طوقه من سبع ارضين.[۱]

جس نے کسی کی زمین بالشت بھر قبضہ کرلیا تو اسے قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔

۴۔نسلی و جنسی تفریق اور کم زوروں کا قتل

فرعون نے بنی اسرائیل پر ظلم کرنے اور ان کو غلام بنائے رکھنے کے لیے یہ

انوکھا طریقہ اختیار کیا تھا کہ ان میں کسی لڑکے کی پیدائش ہوتی ہے تو اسے مار دیا جاتا تھا اور اگر لڑکی کی پیدائش ہوتی ہے تو اسے زندہ رہنے دیا جاتا تھا، تاکہ اس قوم میں ایسے مرد پیدا نہ ہوں جو مزاحمت کر سکیں۔ موجودہ دور میں دلتوں، اقلیتوں اور عورتوں کے ساتھ جو ظلم واستبداد روا رکھا گیا ہے وہ سب اسی فرعونی ذہنیت کے تسلسل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعاً يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ (القصص:۴)

(واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا، اس کے لڑکوں کو وہ قتل کرتا اور اس کی لڑکیوں کو وہ جیتا رہنے دیتا، فی الواقع وہ مفسدین میں سے تھا۔)

ہزارہا سال سے دلتوں کو اچھوت قرار دینے کے پیچھے ان کی غلامی کو برقرار رکھنا ہے، تاکہ وہ سر اٹھا کر نہ چل سکیں اور ملک پر اعلیٰ ذاتوں کی حکم رانی قائم رہے۔ مسلمان اقلیتیں بھی دلتوں کے مقام پر آچکی ہیں اور نیم غلامی کی زندگی جی رہی ہیں۔

موجودہ دور میں پوری دنیا پر نظر ڈالی جائے تو دنیا میں لوگ دو طبقوں اور گروہوں میں منقسم ہو گئے ہیں: ایک امیروں کا طبقہ ہے اور دوسرا غریبوں کا! ایک طاقت وروں کا طبقہ ہے اور دوسرا کم زوروں کا، ایک حکم رانوں کا طبقہ ہے، دوسرا محکوموں کا۔ جو طاقت ور اور حکومت و اقتدار سے بہرہ ور ہیں، وہ کم زوروں اور محکوموں کا استحصال کر رہے ہیں۔ غریب اور کم زور ہر جگہ پٹ رہے ہیں، ان پر ظلم و زیادتی ہو رہی ہے۔ ان کے ظلم و استبداد سے وہاں کی آبادیاں سسکنے کی بھی تاب نہیں رکھتیں۔ وہ وہاں سے جائے پناہ کے متلاشی ہیں، مگر ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔

بعض ملکوں اور خطوں میں آباد اقلیتیں خصوصاً مسلمان نیم غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں، جیسے برما، سنگیانگ اور چین وغیرہ۔ وہاں ان کا ہر طرح سے استحصال ہو رہا ہے اور ان کے انسانی حقوق تلف ہو رہے ہیں،

۵۔عبادت گاہوں کو منہدم کرنا

اقوام وملل پر مختلف وجوہ سے ظلم و استبداد روا رکھا گیا ہے۔اس کے ساتھ مظلوم ومقہور اقوام کی عبادت گاہوں کو باقی نہیں رہنے دینا اور انھیں منہدم کردینا ظلم کی وہ شکل ہے جسے تاریخ کے ہر دور میں دہرایا گیا ہے۔عصرِ حاضر میں اس کی بہت سی مثالیں اور مناظر کھلی آنکھوں سے دیکھے جا سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا (الحج:۴۰)

(اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجد جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب مسمار کرڈالی جائیں۔)

عبادت گاہیں ساری اقوام کے لیے یکساں طور پر مقدس اور محترم ہوتی ہیں:مگر ایسے بدنصیب لوگ اور قومیں بھی دنیا میں موجود ہیں جو ان کی حرمت کو پامال کرنے میں عار نہیں محسوس کرتیں۔ارشادِ ربّانی ہے:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّهِ أَن يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِي خَرَابِهَا (البقرۃ:۱۱۴)

(اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کے معبدوں میں اس کے نام کی یاد سے روکے اور ان کی ویرانی کے درپے ہو۔)

۶۔مالی استحصال

موجودہ دور میں سرمایہ دارانہ نظام کے دو اساسی ستون 'سود' اور 'سٹّہ' ہیں جن کو قرآن مجید میں 'ربا' اور 'قمار' کہا گیا ہے۔ان کے ذریعے سے استعماری طاقتوں کو موقع ملتا ہے کہ وہ مختلف ممالک کے وسائل پر کنٹرول حاصل کریں اور مالیاتی سرگرمیوں کو اپنی مرضی اور ضرورت کے مطابق چلائیں۔دنیا کے بازاروں پر غلبہ وتسلط حاصل کریں اور دنیا کی دولت کو سمیٹ کر چند سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں دے دیں۔'سود' اور 'قمار' کے ذریعے سے عالمی مالیاتی نظام عدم استحکام، ناپائیداری اور کساد بازاری کا شکار ہو جاتا

ہے۔ سرمایہ دار اور ساہو کار اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قوموں کا استحصال کرتے ہیں۔اس لیےقرآن مجید میں 'سود' اور 'قمار' کوظالمانہ قرار دیا گیا ہے۔ارشادربّانی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ وَذَرُواْ مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ. فَإِن لَّمْ تَفْعَلُواْ فَأْذَنُواْ بِحَرْبٍ مِّنَ اللّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ لاَ تَظْلِمُونَ وَلاَ تُظْلَمُونَ (البقرۃ:۲۷۸-۲۷۹)

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہوئے!اللہ سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لائے ہو،لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اوراس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔اب بھی توبہ کرلو(اورسود چھوڑ دو) تو اپنا سرمایہ لینے کےتم حق دار ہو۔نہ تم ظلم کرو، نہ تم پرظلم کیا جائے گا۔)

مالی استحصال کے اور بھی طریقے ہیں۔ جیسے جوا ، غصب،غبن، رشوت ، دوہرے پیمانے پر وزن کرنا اور بیع وشرا کی وہ تمام قسمیں آتی ہیں،جن میں دھوکہ اورکسی ایک فریق کا نقصان ہو۔ان تمام ظالمانہ طریقوں کو روکنے کا حکم دیا گیا ہے اوران کی خلاف ورزی پرسخت وعید سنائی گئی ہے۔ارشادربّانی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلاَّ أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ وَلاَ تَقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيماً (النساء: ۲۹)

(اے لوگوجو ایمان لائے ہو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ،لین دین ہونا چاہیے۔آپس کی رضامندی سے اور اپنے آپ کوقتل نہ کرو۔یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپرمہربان ہے۔)

موجودہ دور میں بدعنوانی اور رشوت ستانی عام ہے۔ ہرسرکاری کارندہ بدعنوانی کو اپنا حق تصور کرتا ہے۔ مذہبی رہ نما بھی مالیات میں خرد برد سے پاک نہیں ہیں۔قرآن مجیداس حقیقت سے اس طرح پردہ اٹھاتا ہے۔ارشاد ہے:

وَتَرَى كَثِيراً مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ

السُّحتَ لَبِئسَ مَا کَانُوا یَعمَلُونَ (المائدۃ:۶۲)
(تم دیکھتے ہو کہ ان میں سے بکثرت لوگ گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں۔اور حرام کا مال کھاتے ہیں۔بہت بری حرکات ہیں جو یہ کرتے ہیں۔)

۷۔ناروا جذبۂ مسابقت

ہر طاقت ور فرد، قوم اور ملک کی خواہش ہے کہ وہ مزید طاقت ور ہو جائے۔وہ اپنے سے کم تر یا کم زور پر ظلم واستبداد کو روا رکھتا ہے۔خاص طور سے موجودہ دور میں ترقی یافتہ ممالک اور ملٹی نیشنل کمپنیاں اپنے مقابل دوسرے کے وجود کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور دنیا کے سارے وسائل پر قبضہ کرنا چاہتی ہیں۔قرآن مجید میں اس جذبۂ نامحمود کی ایک واقعہ اور تمثیل کے ذریعے وضاحت کی گئی ہے۔

إِنَّ هَـٰذَا أَخِی لَهُ تِسعٌ وَتِسعُونَ نَعجَةً وَلِیَ نَعجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَکفِلنِیهَا وَعَزَّنِی فِی الخِطَابِ. قَالَ لَقَد ظَلَمَکَ بِسُؤَالِ نَعجَتِکَ إِلَی نِعَاجِهِ وَإِنَّ کَثِیراً مِّنَ الخُلَطَاء لَیَبغِی بَعضُهُم عَلَی بَعضٍ (ص:۲۲-۲۴)
(یہ میرا بھائی، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے، اس نے مجھ سے کہا کہ یہ ایک دنبی بھی میرے حوالے کر دے۔اس نے گفتگو میں مجھے دبا لیا۔ داؤد نے جواب دیا: اس شخص نے اپنی دنبیوں کے ساتھ تیری دنبی ملا لینے کا مطالبہ کر کے یقیناً تجھ پر ظلم کیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ مل جل کر ساتھ رہنے والے لوگ اکثر ایک دوسرے پر زیادتیاں کرتے رہتے ہیں۔)

آیت مذکورہ میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے حضرت داؤدؑ کی خلوت گاہ میں اچانک دیوار کود کر دو لوگ آئے اور اپنا مقدمہ پیش کیا، مقدمہ یہ تھا کہ ایک آدمی کے پاس ۹۹/دنبیاں تھیں اور دوسرے کے پاس صرف ایک دنبی تھی۔۹۹/دنبیوں والا چاہتا تھا کہ اس کی گنتی سو ہو جائے لہٰذا اس نے ایک والے سے اس کی دنبی کو بالجبر لے لیا۔یہ مقدمہ موجودہ دور کے مسابقانہ ذہنیت کی ترجمانی کرتا ہے۔مقدمے کے فیصلے میں اس کو ظلم کہا گیا ہے۔

۸۔مظلوم سے نفرت اور اس کا استحصال

مظلوم سے نفرت کا اظہار کرنا اور اس کو مختلف طریقوں (زبانی، ذہنی اور نفسیاتی) سے اذیت پہنچانا بھی ظلم کی ان صورتوں میں شامل ہے جن سے قرآن مجید میں منع کیا گیا ہے۔ ایک فرد دوسرے فرد کو اس کے عیوب اور خامیوں کا تذکرہ کر کے اسے ذہنی طور پر اذیت پہنچاتا ہے۔ ایک قوم دوسری قوم کے عیوب اور خامیوں کو نشانۂ تنقید بنا کر اس کی اذیت کا باعث بنتی ہے۔ اہل کتاب کے رویوں کے ضمن میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوتُواْ الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُواْ أَذًى كَثِيراً وَإِن تَصْبِرُواْ وَتَتَّقُواْ فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الأُمُور (آل عمران:۱۸۶)

(اور تم اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے! اگر ان حالات میں صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہو تو یہ بڑے عزم و حوصلے کا کام ہے۔)

قرآن مجید، اسلام، شعائرِ اسلام، اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ کے بارے میں اہانت کے مختلف واقعات اس کی دلیل ہیں کہ ظالم قوموں نے مسلمانوں کا نہ صرف بے دریغ خون بہایا اور ان پر مظالم ڈھائے، بلکہ ان کا دینی و مذہبی اور ذہنی و جذباتی استحصال بھی کیا۔ مظلوم کی ذہنی اذیت رسانی سے ظالم کو ذہنی تسکین حاصل ہوتی ہے۔قرآن مجید میں ایسے لوگوں پر سخت وعید کی گئی ہے۔ارشاد خداوندی ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَاناً وَإِثْماً مُّبِيْنا (الاحزاب:۵۸)

(اور جو لوگ مؤمن مردو اور عورتوں کو بے تصور اذیت دیتے ہیں انھوں نے ایک بڑے بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لے لیا ہے)

ظالموں کا مزاج و ذہنیت

انسانوں پر مظالم تاریخ میں پہلے بھی ہوئے ہیں اور آج بھی ہو رہے ہیں، ان کی کمیت اور کیفیت میں کمی و بیشی ہو سکتی ہے، مگر ایک چیز ہے جو تمام ظالموں کے درمیان

مشترک ہے، وہ ہے ان کا مزاج۔ ظالم بے رحم اور مغرور ہوتا ہے، مظلوم کی تحقیر وتذلیل سے نفسیاتی طور پر اس کی تسکین ہوتی ہے، وہ ظلم کو ہمیشہ برقرار رکھنے کے لیے کوشاں ہوتا ہے، اپنے جیسے ظالم سے وہ میل جول رکھتا ہے، اور مظلوم اس سے کبھی انتقام نہ لے سکے اس کے لیے فکر مند ہوتا ہے۔ مختلف ظالمانہ تدابیر اختیار کر کے ظلم کی چکی کو اور تیز کر دیتا ہے۔ ظالم کے مزاج کے سلسلے میں یہ عمومی تبصرہ ہے۔ قرآنی آیات کی روشنی میں مطالعہ کیا جائے تو نمرود، فرعون، قارون اور یہود ونصاریٰ کی تاریخ کا مطالعہ کرنا کافی ہوگا۔ فرعون نشۂ اقتدار میں چور تھا، اس نے اپنے مخالفین کو غلام بنا رکھا تھا، ان کا قتل کراتا، ان کی تذلیل وتحقیر کرتا۔ اپنے موافقین سے اپنی ’ربوبیت‘ کا اقرار کرواتا، اپنے لاؤ لشکر کی طاقت اور تعداد پر مغرور تھا۔ جس قوم کو غلامی کے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا اسی پر احسان جتایا کرتا کہ مخالفین کی طرف سے مزاحمت نہ ہو۔ لہذا وہ طرح طرح کی سازشیں کرتا اور ان کو کسی طرح کے انسانی حقوق دینے کے لیے آمادہ نہ تھا۔ مظلوم قوم کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کراتا۔ (قرآن مجید میں فرعون کے ظالمانہ سوچ اور مزاج کی مختلف آیات میں ترجمانی کی گئی ہے۔ ملاحظہ کیجیے الاعراف:۱۴۱، القصص:۳۸، مومن:۲۶، الشعراء:۱۶-۲۲)

اسلام کا نقطۂ نظر

اسلام ظلم کا سخت مخالف ہے۔ وہ مظلوموں کی مدد کرتا ہے۔ جس وقت حضرت محمد ﷺ کو رسالت ونبوت سے سرفراز کیا گیا وہ وقت ایسا تھا کہ پوری دنیا میں خاص کر عرب میں کم زوروں کو ستایا جاتا تھا، انھیں غلام بنایا جاتا تھا، وہ طاقت وروں کے رحم و کرم پر زندگی گزارتے، ان پر ظلم کیا جاتا، مگر کسی عدالت میں فریاد کرنے کی گنجائش نہ تھی۔ روئے زمین میں ان کا کوئی حامی وناصر نہ تھا۔ ان بدترین حالات میں حضرت محمد ﷺ کی بعثت ہوئی۔ آپؐ نے رفتہ رفتہ مظلوموں اور کم زوروں کو ان کے ظلم سے نجات دلائی۔ اسلام نے مظلوموں کو وہ حقوق واپس دلائے جو ان سے چھین لیے گئے تھے۔ وہ تختۂ مشق ستم بنے ہوئے تھے۔ اسلام نے ان کے اندر ظلم سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کا شعور پیدا کیا اور عزت ووقار کے ساتھ جینے کا ہنر سکھایا۔

نزول قرآن اور رسالت و نبوت کے جو مقاصد ہیں ان میں ایک اہم مقصد مخلوقِ خدا کی گردنوں میں پڑی ہوئی غلامی کی زنجیروں اور ظلم و استبداد کے طوق کو اتارنا بھی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے:

وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ إِصۡرَهُمۡ وَٱلۡأَغۡلَٰلَ ٱلَّتِي كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ (الاعراف:۱۵۷)

(اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے۔ اور وہ بندش کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔)

اس کی تفسیر کے ذیل میں مفسرین نے جو تشریح کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعثت محمدی اور نزول قرآن نے لوگوں کو سابقہ مذاہب کے غیر معقول احکام اور مذہبی سختیوں سے معنوی طور پر اور ظاہری طور پر غلامی اور ظلم و استبداد سے نجات کا سامان فراہم کیا۔ چناں چہ حضرت ربعی بن عامرؓ جب رستم کے دربار میں قاصد بن کر سفارتی امور انجام دینے کے لیے پہنچے تو رستم نے ان سے سوال کیا کہ تم کس لیے آئے ہو؟ اس موقع پر انھوں نے جو بات کہی ہے وہ کتب تاریخ میں سنہرے حروف سے مرقوم ہے:

الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد الى عبادة الله ومن ضيق الدنيا الى سعتها و من جور الاديان الى عدل الاسلام فارسلنا بدينه الى خلقه لندعوهم اليه.[۲]

(اللہ نے ہمیں بھیجا ہے تا کہ لوگوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی کی طرف لے آئیں، دنیا کی تنگیوں سے نکال کر اس کی وسعتوں کی طرف لے آئیں۔ اور مذاہب و قوانین کے ظلم و استبداد سے نکال کر اسلام کے عادلانہ نظام کی طرف لے آئیں۔ پس اس نے ہمیں بھیجا ہے اپنے دین کے ساتھ اپنے خلق کی طرف تا کہ ہم اس کی طرف لوگوں کو دعوت دے سکیں۔)

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ بہت سی قوموں نے مذہب کے نام پر لوگوں کو غلام بنایا ہے، جیسا کہ ہندوستان میں دلتوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔ اسی طرح یورپ میں کلیسائی جبر نے لوگوں کو غلامی کے شکنجے میں ایک طویل عرصے تک جکڑ رکھا گیا تھا۔ یہ قومیں غلامی کی ان زنجیروں کو اسلام کے سایے ہی میں آ کر توڑ سکتی ہیں، جیسا کہ یہ حقیقت اظہر من ا

لشمّس ہے کہ جنھوں نے اسلام قبول کیا وہ برہمنیت اور کلیسائی جبر سے آزاد ہو گئے۔

اسلام کی مجموعی تعلیمات کم زوروں اور مظلوموں کے ساتھ حسن سلوک پر مبنی ہیں۔قرآنی آیات کا ایک بڑا حصہ غرباء، مساکین اور خواتین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تلقین پر مشتمل ہے۔اسی طرح رسول اکرم ﷺ کے ارشادات وفرمودات میں وافر ذخیرہ ان تعلیمات پر مشتمل ہے جو بے سہارا اور مظلوم کی حمایت ومعاونت پر ابھارتی ہیں۔ اسلام کم زوروں اور مظلوموں کا حامی و ناصر ہی نہیں بلکہ ان کا محافظ اور نگہبان بھی ہے۔ اسلام کسی مظلوم کو ظالم کے حوالے نہیں کرتا نہ اس کو بے یارو مددگار چھوڑتا ہے۔حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

المسلم أخو المسلم لا یظلمه ولا یسلمه [۳]

(مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ظالم کے حوالے کرتا ہے۔)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

أنصر أخاک ظالماً أو مظلوماً، قالوا یا رسول الله ﷺ هذا ننصره مظلوماً فکیف ننصره ظالما قال: تأخذ فوق یدیه" [۴]

(اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا حضور ﷺ! مظلوم کی مدد سمجھ میں آتی ہے، ظالم کی مدد کیسے کی جائے؟ آپؐ نے فرمایا ظلم سے اس کو روک دو۔)

اسلام کے نزدیک جہاد کی بہت سی قسمیں ہیں اور اس کی فضیلتیں ہیں ؛ مگر ظالم حکم راں کے سامنے حق بات کا اظہار کرنے اور اس کو ظلم سے باز رہنے کی تلقین کرنے کو افضل جہاد کہا گیا ہے۔ارشاد ہے: "**أفضل الجهاد کلمة حق عند سلطان جائر**" [۶]

مسلمانوں نے تاریخ کے ہر دور میں ان تعلیمات پر عمل کیا ہے اور ظالم حکم رانوں کے سامنے کلمۂ حق کا اظہار کر کے مظلوموں کی مدد کی ہے۔

ظلم و استبداد کا سارا کھیل طاقت وقوت پر ہوتا ہے۔ ظالم ظلم کرتے وقت مظلوم کو کم زور اور ناتواں سمجھ کر اپنی طاقت دکھاتا ہے۔مظلوم کی بے بسی اور کم زوری

ظالم کو ظلم پر ابھارتی ہے۔ ظالم یہ خیال کرتا ہے کہ اس دنیا میں اس سے زیادہ کوئی طاقت ور نہیں ہے اور کوئی اس کے پنجۂ استبداد کو پکڑنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ کسی کو بھی مجال نہیں کہ اس کی گرفت کر سکے، لیکن اگر اس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت کا علم ہو تو وہ یقیناً ظلم سے باز رہے گا۔ قرآنی آیات میں صراحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم اور زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ارشاد ہے:

وَلاَ تَعْتَدُواْ إِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبِّ الْمُعْتَدِيْنَ (البقرة:۱۹۰)

(خبردار، حد سے تجاوز نہ کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاللّهُ لاَ يُحِبُّ الظَّالِمِيْن (آل عمران:۵۷)

(اللہ تعالیٰ ظالموں کو محبوب نہیں رکھتا۔)

ایک حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر ظلم حرام کر لیا ہے لہذا بندے کو بھی دوسروں پر ظلم نہیں کرنا چاہیے۔ ارشاد ہے:

یا عبادی انّی حرمت الظلم علی نفسی وجعلته بینکم محرماً فلا تظالموا۔[٦]

(اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور اسے تمہارے درمیان حرام قرار دیا ہے لہذا تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔)

ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن حقوق العباد میں سب سے پہلے خون کا فیصلہ ہوگا۔ ارشاد ہے:

أوّل ما یقضیٰ بین النّاس فی الدماء[٧]

(قیامت کے دن سب سے پہلے خون کا فیصلہ ہوگا۔)

ظلم کا مادّہ ظلمت ہے، جس کے معنی اندھیرے اور تاریکی کے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ظلم کو قیامت کے دن تاریکیوں سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد ہے:

الظلم ظلمات یوم القیامة.[٨]

(ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کا نام ہے۔)

ظالم قیامت کے دن جن مشکلات و پریشانیوں میں مبتلا ہوگا اس کے پیشِ نظر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی نے کسی پر ظلم کیا ہوتو اس کی تلافی دنیا ہی میں کر لے تو بہتر ہے۔ کیوں کہ آخرت میں تلافی کے لیے کوئی چیز نہیں ہوگی۔ ارشاد ہے:

من کانت عنده مظلمة لأخيه فليتحلله منها فانه ليس ثم دينار و لادرهم من قبل أن يوخذ لأخيه من حسناته فان لم يكن له حسنات أخذ من سيئات أخيه فطرحت عليه.۹

(جس نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کیا ہو وہ اسی دنیا میں اس کی تلافی کر لے کیوں کہ قیامت کے روز نہ درہم ہوں گے نہ دینار ہوں گے، سوائے اس کے کوئی صورت نہ ہوگی کہ ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دے دی جائیں گی اور اگر اس کی نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم کا گناہ اس کے اوپر لاد دیا جائے گا۔)

اللہ کے بندوں پر ظلم و زیادتی کی تلافی محض توبہ و استغفار سے نہیں ہوسکتی ہے، اس کے لیے متعلق فرد کے سلب کردہ حقوق کی ادائیگی ضروری ہے۔ دوسری بات یہ کہ ظلم کے برے نتائج صرف آخرت ہی میں نہیں ظاہر ہوں گے، بلکہ ظالم کو اس دنیا میں بھی برے انجام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی قدرت و قانون سے قائم و دائم ہے۔ اللہ جیسے آسمان و زمین کو ٹکڑے ہونے سے روکے ہوئے ہے، اسی طرح وہ انسانوں کو بھی کنٹرول اور حفاظت کرتا ہے۔ وہ مہلت ضرور دیتا ہے، لیکن جب وہ کسی کی گرفت کرتا ہے تو وہ چھوٹ نہیں سکتا۔ ارشاد ہے:

وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ (ھود:۱۰۲)

(اور اس طرح تیرے رب کی پکڑ تھی کہ اس نے ان بستیوں کو پکڑا جو ظلم کرتی تھیں بے شک اس کی پکڑ دردناک اور سخت ہوتی ہے۔)

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ دو باتوں کی سزا دنیا ہی میں دیتا ہے: ایک سرکشی و ظلم اور دوسرے قطع رحم۔ جہاں تک آخرت کا معاملہ ہے، آخرت میں اس کی سزا طے شدہ ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

ما من ذنب أجدر أن يعجّل الله تعالىٰ لصاحبه العقوبة فى الدنيا مع ما يدّخرله فى الآخرة من البغى و قطيعة الرحم.[۱۱]

(سرکشی اور رشتہ کاٹنے والے گناہ سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والے کو جلد اس دنیا ہی میں اللہ سزا دے۔ دراں حالیکہ آخرت میں اس کے لیے اس کا عذاب تیار رکھا ہے۔)

تاریخ گواہ ہے کہ جارح قوم کا انجام کبھی خیر پر نہیں ہوا ہے۔ شرور وفتن نے اس کو گھیر لیا ہے اور پھر وہ برے انجام کو پہنچی۔ زمانۂ بعید میں فرعون کی مثال دی جا سکتی ہے اور زمانۂ قریب میں ہٹلر اور مسولینی کی مثال موضوع کی تفہیم کے لیے کافی ہے۔ انفرادی زندگی میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ ظلم و سرکشی کرنے والا بہت جلد اپنے کیفر کردار تک پہنچ جاتا ہے۔

ظلم کو روکنے میں معاشرے کی ذمہ داری

اسلام ظلم کو کسی طرح برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ ظالم کا ساتھ نہ دیا جائے تاکہ اس کی حوصلہ شکنی ہو اور دنیا سے ظلم کا بالکلیہ خاتمہ ہو جائے۔ ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَان (المائدۃ:۲)

(جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیاتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو، اللہ سے ڈرو، اس کی سزا بہت سخت ہے۔)

حدیث میں ہے کہ جو شخص ظالم کو اس کے ظلم میں تقویت پہنچاتا ہے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ ارشاد ہے:

من مشى مع ظالم ليقويه و هو يعلم أنه ظالم فقد خرج من الاسلام [۱۲]

(جس نے ظالم کا ساتھ دیا تاکہ تقویت پہنچائے دراں حالے کہ وہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام کے دائرے سے خارج ہے۔)

ایک دوسری روایت میں ظالم کی حمایت کرنے والے پر اللہ کے غضب ہونے

کی بات کہی گئی ہے۔

اسلام کے مزاج میں برائی کو برداشت نہ کرنے کی صرف خو نہیں ہے، بلکہ وہ اس کی بیخ کنی اور قلع قمع بھی کرنا چاہتا ہے۔ کسی فرد یا جماعت پر ظلم ہو رہا ہو اور اسلام اس کو خاموش تماشائی بن کر دیکھتا رہے، ایسا نہیں ہوسکتا؛ بلکہ وہ ظالم سے ٹکر لینے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسلام نے آدمی کو حسبِ استطاعت ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:

من رأى منكراً فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه وان لم يستطيع فبقلبه و ذٰلك أضعف الايمان[۱۳]

(جس نے منکر کا ارتکاب ہوتے ہوئے دیکھا تو چاہیے کہ اس کو اپنے ہاتھ (زور) سے روک دے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے اس کے خلاف آواز اٹھائے اور اگر اس کی بھی قوت نہ ہو تو دل سے برا جانے۔ اور یہ ایمان کا سب سے کم تر درجہ ہے۔)

حدیث میں ظالم کو ظلم سے نہ روکنے کے اخروی نتائج کے ساتھ دنیا میں اس کے برے اثرات سے ڈرایا گیا ہے کہ اگر تم ظالم کو ظلم سے نہ روکو گے تو عین ممکن ہے کہ تم خود ظلم کا شکار بن جاؤ گے۔ ارشاد ہے:

"انّ النّاس اذا رأوا الظالم فلم يأخذوا على يده أوشك أن يعمّهم الله بعقاب منه"[۱۴]

(لوگ جب ظالم کو ظلم کرتے دیکھیں اور اس کو نہ روکیں تو عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ سب پر عذاب نازل کردے۔)

ظلم کے خلاف آواز اٹھانا

ظالم کی یہ نفسیات ہے کہ وہ مظلوم کو بے بس و لاچار سمجھتا ہے اور ظالم چاہتا ہے کہ اس کے مظالم کی داستان دنیا کے سامنے نہ لائی جائے۔ ظالم کو سب سے زیادہ چڑھ ظلم کے خلاف آواز سے ہوتی ہے۔ اسلام نے مظلوم کو وہ سارے حقوق دیے ہیں جن کی بنیاد پر وہ ظلم سے مقابلہ کرسکے، انھی میں ظلم کے خلاف آواز اٹھانا بھی ہے۔ (النساء: ۱۴۸)

موجودہ دور میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت دو چند ہوگئی ہے۔ ان کے ذریعے بھی ظلم

کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کیا جا سکتا ہے۔ظلم کے خلاف آواز بلند کرنا اور ظالم سے مقابلہ کرنا صرف مظلوم کی ذمہ داری نہیں، بلکہ پورا معاشرہ اس کا ذمہ دار ہے۔ دنیا کے تمام ذمہ دار شہری اور جواب دہ ریاستوں کا فریضہ ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی جس کسی پر بھی ظلم ہو رہا ہو وہ اس کے خلاف آواز بلند کرے اور ظلم کے سلسلے کو فی الفور روکنے کی کوشش کرے۔

ظالم سے انتقام

ظلم سے مظلوم کو ذہنی، قلبی، جسمانی، مالی اور عرفی طور پر اذیتیں لاحق ہوتی ہیں۔عزت وآبرو داؤ پر لگتی ہے اور جان و مال کا نقصان ہوتا ہے۔ اگر مظلوم اور جواب دہ معاشرہ خاموشی سے ظلم کو برداشت کرتا رہے تو دنیا میں ظلم کا دور دورہ ہو جائے گا اور کوئی فرد بھی ظلم سے نہ بچ پائے گا۔ ایسی صورت میں اسلام نے ظلم سے مقابلہ کرنے کی تلقین کی ہے اور ضرورت پڑنے پر ظالم سے ظلم کے بقدر انتقام لینے کی بھی گنجائش رکھی ہے، تاکہ اسے معلوم ہو کہ خلق خدا کو ستانے سے اس کے اوپر کیا گزرتی ہے؟ اسلام میں حدود وتعزیرات کی بہت سی حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سب سے بڑی حکمت 'قصاص' یعنی بدلہ ہے۔ظالم نے اپنے ظلم سے جس قدر دوسرے کو تکلیف پہنچائی ہے اس کے بقدر اس کو بھی تکلیف پہنچائی جائے، تاکہ وہ آئندہ اس سے باز رہے۔ ارشاد ہے:

فَمَنِ اعْتَدَی عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُواْ عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَی عَلَيْكُمْ وَاتَّقُواْ اللّهَ وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (البقرۃ:۱۹۴)

(تم پر جو دست درازی کرے، تم بھی اسی طرح اس پر دست درازی کرو، اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان رکھو! کہ اللہ انھیں لوگوں کے ساتھ ہے جو اس کی حدود توڑنے سے پرہیز کرتے ہیں۔)

قصاص یعنی بدلہ لینے میں مماثلت ایک بنیادی اصول ہے۔قتل کے بدلے قتل، چوٹ کے بدلے چوٹ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت، حتیٰ کہ تھپڑ کے بدلے تھپڑ، اسلام کے نظامِ عدل کا تقاضا ہے کہ زیادتی کرنے والا اس زیادتی کو خود بھی محسوس کرے جو اس نے دوسرے پر کی ہے۔قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُواْ بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ (النحل:۱۲۶)

(اگرتم بدلہ لوتو اسی قدر لو جس قدر کہ تم پر زیادتی کی گئی ہو لیکن اگرتم صبر کروتو یقیناً صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے۔)

شریعت اسلامیہ نے ظالم سے اس کے ظلم کے بقدر انتقام لینے کی گنجائش رکھی ہے، مگر انتقام لینے میں حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے، اس کی بھی تفصیلات فراہم کی گئی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ بہت سے معاملات میں بدلہ اور انتقام مناسب نہیں ہوسکتا، جیسے گالی، غیبت، چغلی اور مظلوم کی عیب جوئی کا انتقام، گالی، غیبت، چغلی اور ظالم کی عیب جوئی نہیں ہوسکتی۔ اس طرح اگر کسی کی عزت وآبرو پامال کی گئی ہو تو انتقام میں ظالم کے متعلقین کی عصمت دری نہیں کی جائے گی۔ چناں چہ ایسی صورت میں اسے بہتر قرار دیا گیا ہے کہ مظلوم ظالم کو معاف کردے۔ معاف کرنا اعلیٰ ظرفی کا ثبوت ہے اور پسندیدہ ہے۔ البتہ اسلامی ریاست میں عصمت دری کی مقررہ سزا نافذ کی جائے گی۔

حواشی ومراجع

۱۔ بخاری، کتاب المظالم، باب اثم من ظلم شیئاً فی الارض،۲۴۵۳۔
۲۔ البدایہ والنھایہ لابن کثیر الدمشقی ۴/۴۰۔
۳۔ بخاری، کتاب المظالم، باب لا یظلم المسلم والمسلم لا یسلمہ، حدیث نمبر۲۴۴۲۔
۴۔ بخاری، کتاب المظالم والقصاص، باب أنصر أخاک ظالماً او مظلوماً۔ ۵۔ مسند احمد ۱۱۱۵۹۔
۶۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم، حدیث:۲۵۷۷۔
۷۔ بخاری، کتاب الدیات، باب نمبر۱، حدیث:۶۵۳۳۔
۸۔ بخاری، کتاب المظالم۔
۹۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب القصاص یوم القیامۃ۔
۱۰۔ ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، حدیث نمبر۲۵۱۱۔
۱۱۔ البیہقی شعب الایمان ۷۶۷۵/ الترغیب والترھیب بالفاظ دیگر۲۰۸/۳۔
۱۲۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان
۱۳۔ مسلم، کتاب الایمان، باب کون النھی عن المنکر من الایمان، حدیث:۱۷۷۔
۱۴۔ ترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی نزول العذاب اذا لم یرٔ المنکر، حدیث:۲۱۶۸۔

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اور تفسیر ثنائی

حافظ محمد زوہیب حنیف

مختصر حالاتِ زندگی

مولانا ثناء اللہ کی ولادت ماہِ جون ۱۸۶۸ء مطابق ۱۲۸۷ھ میں امرتسر میں ہوئی۔ آپ کشمیری پنڈتوں کے منٹو خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اصل وطن ریاست کشمیر کا علاقہ ڈور ہے۔ آپ کے والدِ ماجد شیخ خضر، جو پشمینہ کی تجارت کرتے تھے۔[۱] ۱۸۶۰ء میں ڈوگری راج کی ستم ظریفیوں سے تنگ آ کر بغرضِ تجارت امرتسر چلے گئے۔[۲] ابھی آپ کی عمر سات برس تھی کہ سایۂ پدری سے محروم ہوگئے اور جب حیاتِ مستعار کی چودھویں منزل میں قدم رکھا تو والدہ کا بھی انتقال ہوگیا۔[۳]

آپ کے برادرِ اکبر جناب محمد ابراہیم نے آپ کو رفوگری کا فن سکھایا۔ اس میں مولانا نے خوب مہارت حاصل کی اور کچھ عرصے تک اس کو ذریعۂ معاش بنائے رکھا۔ رفوگری کے کام کے ساتھ ابتدائی کتابوں کا سبق مولانا احمد اللہ سے لینا شروع کردیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں شرح جامی، قطبی اور چند دیگر فارسی کتابیں پڑھ لیں۔[۴] ابتدائی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ کے اندر مزید حصولِ علم کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ آپ نے بڑے بڑے علماء سے استفادہ کیا۔

اساتذۂ کرام

مولانا کے مشہور اساتذہ درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا احمد اللہ امرتسری

(۲) حضرت مولانا حافظ عبدالمنان وزیرآبادی

(۳) شمس العلماء نذیر حسین محدث دہلوی

(۴) شیخ الہند مولانا محمود حسن۔

مناظرے

مولانا ثناء اللہ کو مناظرِ اسلام کی حیثیت سے شہرت حاصل ہوئی۔ ہندوستان میں بہت سے عیسائی اور ہندو مبلغین سرگرم تھے، جو اسلام کے خلاف کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ آپ نے ان سب سے مناظرے کیے اور ان کو شکست دی۔ ان میں قادیانی بھی سر ابھار رہے تھے۔

پادری جیمز اور آریہ پرچارک سے آپ کے مناظرے مشہور ہیں۔ اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی سے آپ کے ایک مناظرہ کو بہت شہرت ملی۔

آپ کو چیلنج دیا گیا کہ اگر آپ سچے ہیں تو قادیان میں آکر غلام احمد قادیانی کی پیش گوئیوں کو جھوٹی ثابت کردیں۔ ہر پیش گوئی کو جھوٹا ثابت کرنے پر ایک سو روپیہ انعام دیا جائے گا۔ مولانا قادیان پہنچے، لیکن مرزا نے آپ سے گفتگو کرنے سے انکار کردیا۔ ۱۹۰۳ء میں مولانا نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے مرزائیوں کا اتنا سخت محاسبہ کیا کہ وہ عاجز آ گئے۔

غلام احمد قادیانی نے ۱۵/اپریل ۱۹۰۷ء میں ایک اشتہار شائع کیا، جس میں مرزا نے مولانا پر مختلف الزامات لگائے اور یہ بھی کہا کہ آپ ہمیشہ تقریروں میں مجھے مردود، کذاب، دجال جیسے ناموں سے منسوب کرتے ہیں۔ اگر میں کذاب ہوں اور مفتری ہوں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہوجاؤں۔ اور میں یہ دعا کرتا ہوں کہ تو انسانی ہاتھوں سے نہیں بلکہ طاعون اور ہیضہ وغیرہ امراض سے مرے۔ جو حق پر ہوتا ہے وہ ہی کامیاب ہوتا ہے۔ بالآخر مولانا کی زندگی میں ہی ۱۵/ اپریل ۱۹۰۷ء میں اس کا انتقال ہوگیا اور مولانا اس کے بعد مزید چالیس برس زندہ رہے۔ آپ کا انتقال ۱۲/فروری ۱۹۴۷ء میں ہوا۔[۶]

تصانیف

مولانا کی عربی اور اردو میں بے شمار تصانیف ہیں، جن میں چند مشہور یہ ہیں:

۱۔تفسیرِ ثنائی ۲۔تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن (عربی)
۳۔آیات متشابہات ۴۔ بیان القرآن علی علم البیان (عربی)
۵۔تفسیر بالرائ (اردو) ۶۔ برہان التفاسیر بجواب سلطان التفاسیر
۷۔تشریح القرآن، تقابلِ ثلاثہ ۸۔توحید، تثلیث اور راہِ نجات
۹۔ جوابات نصاریٰ ۱۰۔مناظرِ الہٰ باد
۱۱۔اسلام اور مسیحیت ۱۲۔تفسیر سورہ یوسف اور تحریفاتِ بائبل
۱۳۔حق برکات ۱۴۔کتاب الرحمٰن
۱۵۔ترکِ اسلام ۱۶۔حدوث وید
۱۷۔مباحثہ دیوریا ۱۸۔شادی اور ہوگان بنوک
۱۹۔حدوث دنیا ۲۰۔الہام
۲۱۔الرکوب فی السفینہ فی مباحثہ النگینہ ۲۲۔سوامی دیانند کا علم وعقل
۲۳۔نمازِ اربعہ ۲۴۔تغلیب اسلام ۲۵۔القرآن العظیم
۲۶۔مرقع دیانندی ۲۷۔تبرا سلام ۲۸۔ بحث تناسخ
۲۹۔ثمرات تناسخ ۳۰۔قرآن اور دیگر کتب ۳۱۔ جہاد وید
۳۲۔مباحثہ جبل پور ۳۳۔محمد دستی ۳۴۔الہامی کتاب
۳۵۔مقدس رسول ۳۶۔نکاح آریہ ۳۷۔اصولِ آریہ
۳۸۔ھندوستان کے دوریفارمر ۳۹۔تعلیم الاسلام ۴۰۔الہاماتِ مرزا
۴۱۔ھفواتِ مرزا ۴۲۔صحیفہ محبوبیہ ۴۳۔فاتحِ قادیان
۴۴۔آفتہ اللہ ۴۵۔فتح ربانی در مباحثہ قادیان ۴۶۔عقائدِ مرزا
۴۷۔مرقع قادیان ۴۸۔فسخ نکاح مرزائیاں ۴۹۔تاریخِ مرزا
۵۰۔نکاحِ مرزا ۵۱۔شھادتِ مرزا ۵۲۔نکاتِ مرزا
۵۳۔محمد قادیانی ۵۴۔مراق مرزا۔

تفسیرِ ثنائی

مولانا ثناء اللہ مسلکِ اہلِ حدیث کے جید عالم تھے،انھوں نے قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے احادیث سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ آپ نے تفسیر کے تمام

اصولوں کو سامنے رکھا ہے۔ آپ نے قرآن ،حدیث، آثارِ صحابہ، عربی لغات، تمام امور جو تفسیر کے لیے لازم ہیں، ان کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے تفسیر ثنائی لکھی ہے۔ تفسیرِ ثنائی 'تفسیر بالماثور' کی اعلیٰ مثال ہے۔

یہ تفسیر مولانا کی زندگی میں ان کے زیرِ اہتمام امرتسر کے چشمۂ نور پریس سے سات جلدوں میں شائع ہوئی۔ اس کی طباعت ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں شروع ہوئی اور یہ سلسلہ ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۶ء تک جاری رہا۔[8]

مولانا ثناء اللہ نے تفسیرِ ثنائی لکھنے کی وجہ، تفسیر کے مقدمہ میں ان الفاظ میں بیان کی ہے:

> ''اس تفسیر کو لکھنے کا مجھے دو وجہ سے خیال پیدا ہوا۔ ایک تو میں نے کہا کہ مسلمان عموماً فہمِ قرآن شریف سے ناواقف ، بلکہ شناخت حروف سے بھی نا آشنا تھے۔ ایسے وقت میں عربی تصانیف سے ان کا فائدہ اٹھانا قریبِ محال ہے۔ اردو تفاسیر سے بھی بوجہ کسی قدر طوالت کے عام لوگ مستفید نہیں ہوسکتے، نیز ان کا طرزِ بیان خاص طریق پر ہے۔ دوم میں نے مخالفینِ اسلام کے حال پر غور کیا تو باوجود بےعلمی ہیچ مدانی کے مدعی ہمہ دانا پایا۔ خدا پاک کی کتاب پر ستر پھاڑ پھاڑ کر معترض ہورہے ہیں۔ حالاں کہ کُل سرمایہ ان کا سوائے تراجمِ اردو کے کچھ نہیں، جن میں بعض تو تحت اللفظی ہیں اور بعض کے محاورات بھی انقلابِ زمانے سے مستغلب ہوگئے۔ اس لیے وہ بھی مطلب بتلانے سے عاری ہیں۔ مع ہذا میں نے قرآنِ کریم کو جامع علوم عقلیہ اور نقلیہ بالخصوص علمِ مناظرہ میں امام پایا۔ دعوے پر دلیل ایسے ڈھب کی ادا ہوتی ہے کہ ہر ایک درجے کا آدمی اس سے فائدہ اٹھاسکے۔ گو اس فاضلانہ تقریر سمجھنے کو بہت علم اور خوضِ کامل کی ضرورت ہے۔ گویا تراجم بامحاورہ بھی ہوں، مگر جب تک حسبِ موقع شرح نہ کی جائے، عام بلکہ متوسط درجے کے خواص بھی فہم مطالب سے کماحقہ بہرہ ور نہیں ہوسکتے۔ بالخصوص جب ایک مسلسل بیان کی صورت میں لایا جائے

(جیسا کہ اس عاجز نے کیا) تو عجیب ہی لطف پیدا کرتا ہے۔ آج تک ہمارے مفسرین نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ صرف تفسیرِ رحمانی کے مؤلف مرحوم ومغفور نے کسی قدر التفات کیا۔ مگر ناظرین اس میں اور ان اوراق میں فرق پائیں گے۔ مؤلف مرحوم کے بیان میں تسلسل نہیں، جو ان میں ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک''۔۹

فنِ قرات پر اگرچہ مولانا نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے لیکن مقدمہ تفسیر میں اسے واضح کردیا کہ وہ قرآنِ مجید کی تمام قرات عامہ کو معتبر مانتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

''میں نے اصل تفسیر کو حواشی سے علیحدہ کرکے اختلاف قرات وغیرہ کے مباحث نہیں لکھے کیوں کہ موجودہ قرات ہر حال میں مسلم اور معتبر ہے۔''(۱۵)

تفسیر ثنائی کی خصوصیات

تفسیر ثنائی کی چند خصوصیات کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے:

نظمِ قرآن

اگرچہ اردو زبان میں نظمِ قرآن پر عمدہ تفسیر مولانا امین احسن اصلاحی کی 'تفسیرِ تدبرِ قرآن ہے، لیکن تفسیر ثنائی کا زمانۂ تالیف اس سے قبل کا ہے اور اس میں بھی نظم قرآن سے بحث کی گئی ہے۔ نظم سے مراد یہ ہے کہ ایک آیت کا دوسری آیت سے ربط ہے۔ مولانا اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''جو روش میں نے اختیار کی ہے یعنی ایک سلسلے میں سارے مضمون کو لایا ہوں اس میں علماء مفسرین مختلف ہیں، بعض تو کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم کا بیان مسلسل ہے اور بعض کہیں کہ یہ خواہ مخواہ تکلف ہے۔ قرآن حسبِ موقع پر نازل ہوتا رہا۔ جس موقع پر نازل ہوا اس سے بے شک مطابق ہے۔ یہ نہیں کہ ایک دفعہ سارا اترا ہے۔ جس کا سلسلہ وار بیان ہونا ضروری ہے۔ میرے خیال میں یہ دونوں رائیں صحیح ہیں اس میں شک نہیں کہ قرآن حسبِ موقع پر نازل ہوتا رہا۔ اس موقع کا پہلے موقع سے جس پر پہلی آیت اتری تھی، مطابق اور موافق ہونا بھی ضروری

نہیں، مگر اس وجہ سے کہ سورتوں کی ترتیب آں حضرت کے ارشاد سے
ہوئی تھی، تو کوئی نہ کوئی مناسبت لاحق کو سابق سے ضروری ہوگی۔ مانا
کہ اتنی نہیں جو ایک ساتھ اترنے میں ہوتی۔ آخر فعلِ نبوی کا بھی کچھ
استحقاق ہے۔ اس لیے میں نے ایک آیت کو دوسری آیت سے جوڑ دیا
اور تلاش کرنے سے کچھ نہ کچھ مناسبت بھی پائی۔''[۱۱]

ترجمہ کی نوعیت

مولانا ثناء اللہ کا ترجمہ بلحاظ معانی ومطالب بہت صاف ستھرا اور سادگی لیے ہوئے ہے، عام فہم ہے، وقتاً فوقتاً قوسین میں الفاظ بڑھائے گئے ہیں، جس سے مزید توضیح وتشریح ہوجاتی ہے۔''[۱۲] مولانا نے اس بات کی حتی الامکان کوشش کی ہے کہ زبان سادہ اور سلیس ہو۔ اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں:

''چوں کہ میری غرض اصلی اس تحریر سے صرف یہ ہے کہ عوام اہلِ اسلام
قرآنِ کریم کے مطالب سے واقف اور آگاہ ہوں، اس لیے میں نے
ترجمہ کرتے ہوئے الفاظ عربیہ کی پابندی نہیں کی، یعنی یہ نہیں تو جو لفظ
پیچھے ہوں اس کا ترجمہ بھی پیچھے کروں، بلکہ عربی محاورے کو ہندی
محاورے میں لایا ہوں۔''[۱۳]

مذاہبِ باطلہ کا رد

مولانا چوں کہ مناظر تھے۔ آپ کا واسطہ ہر وقت آریہ اور عیسائیوں سے رہتا تھا، ان سے تحریری اور تقریری مناظروں کا سلسلہ قائم تھا۔ اس لیے آپ نے جو تفسیریں لکھیں ان میں مناظرانہ رنگ غالب رہا۔ جہاں بھی کوئی نکتہ ایسا آیا جس کو قاری قرآن کو سوچنے کے ساتھ آریہ اور عیسائی یا مرزائی یا کسی بھی ملحد پر گرفت میں استعمال کرسکے تو مولانا نے وہاں حسبِ ضرورت بحث فرمائی''۔[۱۴]

عیسائیوں کی غلطیوں پر تنبیہ

مولانا نے تفسیر میں جا بجا عیسائیوں کی غلطیوں کی نشان دہی کی ہے۔ مثال

کے طور پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَیْکَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالآخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْن (البقرۃ:۴) اس کی تفسیر میں بعنوان ''عیسائیوں کی پہلی غلطی'' میں رقم طراز ہیں:

''بسا اوقات دیکھنے میں آیا ہے کہ جب کبھی کسی مسلمان نے عیسائیوں سے انجیل کے کلام ہونے کی دلیل مانگی تو جھٹ سے انہوں نے یہ آیت یا اس کے معنیٰ کی کوئی دوسری آیت پڑھ دی اور سائل مسلمان پر زور ڈالا کہ تمہارا قرآن کتبِ سابقہ کی شہادت دیتا ہے اور ان کی تسلیم کو داخلِ ایمان بتاتا ہے۔ پھر تم اس سے زیادہ ثبوت کیا چاہتے ہو؟ اس لیے مناسب ہے کہ اس جگہ جو پہلے ہی موقع پر کتبِ سابقہ کی تصدیق کرتا ہے، وہ یہی ہیں جن کے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت زمانۂ حال کے عیسائیوں سے مطلوب ہے اور ان کتابوں کی قدرومنزلت یہاں تک ہے اور یہ بھی واضح کردیں کہ اس مطلب پر عیسائیوں کا اس آیت کو پیش کرنا مثبت مدعی ہے یا نا سمجھی۔''[۱۵]

اس ضمن میں مزید لکھتے ہیں:

''پس واضح ہو کہ کتبِ سابقہ، جن کی تصدیق قرآنِ کریم نے کی ہے ،بحثیتِ مجموعی یہ نہیں جو اس وقت متداول ہیں۔ یہ تو مثلِ کتب تواریخ کے ہیں۔ ہمارے اس دعویٰ کا ثبوت ان کا موجودہ طرز بھی بتلا دیا ہے۔ توریت ابتداء سے انتہا تک اور انجیل اول سے آخر تک پڑھنے سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ ان کتب والے حضرت موسیٰ اور حضرت مسیح کے بعد کے واقعات کا اس میں درج ہونا اس امر کا ثبوت ہے کہ ان جملوں کی حضرت موسیٰ اور حضرت مسیح کو خبر تک کجا یہ کہ خدا کی طرف سے ان پر الہام ہوتے ہوں۔ مثلاً حضرت موسیٰ کی وفات اور بعد وفات ان واقعات کا ذکر توریت میں مذکور ہے۔ توریت کی پانچویں کتاب استثناء میں لکھا ہے ''سو خدا کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے مطابق جو آپ کی سرزمین میں بھی مرگیا اور آج کے دن تک کوئی اس کی

قبر کو نہیں جانتا۔‘‘ اس طرح حضرت مسیح کے سولی پر جان دینے کا ذکر انا جیل میں بصراحت موجود ہے اور سولی کے بعد کے واقعات بھی ان میں پائے جاتے ہیں۔ ان سب امور پر غور کرنے کے سے یہ نتیجہ بہ آسانی کھل سکتا ہے کہ ایک ان کے دیکھنے والے اور ان دو صاحبوں کے کوئی اور شخص ہوں گے۔ رہی بات کہ عیسائی ان مصنفوں کو ایسا ہی مانتے ہیں تو پڑھیں مانیں۔ اس کا ثبوت ہم کو دیں۔ کسی عقلی یا نقلی ہونے کو دلیل سے ثابت کریں کہ متی و مرقس وغیرہ الہامی تھے اور یہ کتابیں ان کے الہام سے ہیں۔ بعض عیسائی بھولے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی غرض سے کہا کرتے ہیں کہ اگر موجودہ اناجیل اصلی نہیں تو ان کی شہادت دیتا ہے تو ان کا وجود بھی بتلاؤ کہ کہاں ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جنگل میں کسی کو چاندی کا ٹکڑا دکھا کر کہے کہ یہ انگریزی روپیہ ہے۔ وہ شخص بوجہ اس کے کہ اس کے پاس انگریزی سکّہ نہیں، اسے ماننے سے انکار کردے تو مدعی اپنے دعوے کی یہ دلیل دے کہ اگر یہ روپیہ نہیں تو اصلی روپیہ لاکر دکھاؤ اور اس سے مقابلہ کرو، تاکہ معلوم ہوجائے کہ اصلی کون ہے اور نقلی کون؟ اور اگر نہ ملے تو میرا دعویٰ ماننا ہوگا، ہرگز یہ کلام مدعی کا صحیح نہیں۔ انکار کی وجہ تو یہ تھی کہ چوں کہ اس ٹکڑے پر جو نشان روپیہ بننے کا ہونا چاہیے وہ نہیں اس لیے یہ ٹکڑا روپیہ نہیں۔ اس طرح اناجیل کی موجودہ کی نسبت بھی مسلمانوں کا خیال ہے کہ قطع نظر ان کے موجودہ طرز کے چوں کہ ان میں ایسے واقعات بھی درج ہیں جو حضرت موسیٰ اور مسیح کے زمانہ کے قطعاً نہیں ہوسکے، اس لیے ہم اس کو انجیل نہیں مان سکتے۔[۱۶]

بعض اہم مباحث

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اپنی تفسیر میں جا بجا بعض اہم موضوعات پر تحقیقی بحث کی ہے۔ یہاں صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ

تَطۡهِيۡرًا (الاحزاب:۳۳)
(اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ اہلِ بیت نبیؐ سے گندگی کو دور کرے اور تمھیں
پوری طرح پاک کردے۔)

مولانا ثناء اللہ نے آیت میں اھل البیت سے مراد صرف ازدواجِ مطہرات کو لیا ہے۔اس کے لیے وہ دلائل کا انبار لگا دیتے ہیں۔انھوں نے لکھا ہے:

''اس آیت میں جو'اہلِ بیت' کا لفظ آیا ہے اس کے متعلق علمائے اسلام کے دوگروہ ہیں: ایک تو قرآنِ مجید کے ساتھ رہے۔ایک حدیث کی طرف لگ گئے۔ بہ ظاہر ہمارے کہنے سے گمان ہوگا کہ قرآن وحدیث آپس میں مخالف ہیں، اس سے ہم ذرا تفصیل سے اس جگہ لکھیں گے کہ کچھ شک نہیں کہ قرآنِ مجید کی آیاتِ بینات پر جو ادنیٰ سی نظر ڈالے اسے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں جو خدائے تعالیٰ نے اہلِ بیت کا لفظ فرمایا اس سے یقیناً ازدواجِ مطہرات ہی مراد ہیں، کیوں کہ تمام صیغے مؤنث کے ہیں تو انہیں کے لیے ہیں۔خطاب ہے تو انہی کو ہے۔ آگے پیچھے جو الفاظ ہیں انہی کے حق میں ہیں۔ پہلے ان کو نساء النبی کہہ کر خطاب فرمایا ہے، اس کے بعد سب صیغے مؤنث کے چلے آرہے ہیں، حتیٰ کہ'لاتبرّجن' بھی صیغہ مؤنث فرمایا جو اہلِ بیت سے پہلا لفظ ہے۔ اہلِ بیت کے آگے بھی انہی کو وعظ کرنا بصیغہ مؤنث خطاب ہے، پس آیت کی نحوی ترتیب کے علاوہ معنوی ترکیب یہ ہے کہ'اہلِ بیت' سے پہلے جتنے جملے ہیں بمنزلۂ دعویٰ کے ہیں اور بمنزلۂ دلیل کے۔ یہ گویا اس سوال کا جواب ہے کہ کوئی کہے ازدواج نبی کو اس قدر مؤکد بصیغۂ خطاب نام لے کر کیوں حکم دیے جاتے ہیں تو اس کا جواب یوں دیا کہ خدا ان کو پاک کرنا منظور ہے اور اگر اہل بیت سے مراد ازدواج مطہرات نہ ہوں، بلکہ ان کے سوا چارتن پاک: حضرت علی' فاطمہ' حسن وحسین رضی اللہ تعالی عنہم مراد ہوں، جیسا کہ فریقِ ثانی کا خیال ہے تو آیتِ موصوفہ ایک ایسا بے جوڑ کلام بن جائے گا جس کی نظیر دنیا بھر میں نہ ملے گی۔جس کی تصویر یہ ہوگی''اے نبی کی بیویو! تم یہ کرو وہ

کرواندر بیٹھو باہر نکلو۔ خدا چاہتا ہے کہ حضرت علی، فاطمی، حسن و حسین وغیرہ کو پاک کردے اور تم نبی کی بیویو! قرآن یاد کیا کرو۔ اس کے علاوہ ہم قرآنِ شریف کا محاورہ دیکھتے ہیں تو ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر آدمی کی بیوی اہلِ بیت ہے۔ حضرت ابراہیم کے قصّے میں بیان ہے کہ حضرت ابراہیم کو بیٹے کی خوش خبری دی تو حضرت ممدوح کی بیوی نے اس پر حیرانی کا اظہار کیا۔ فرشتے نے یہ حیرانی سن کر جواب دیا: ''أتعجبین من امر الله رحمة الله و برکاته علیکم اهل البیت انه حمید مجید۔'' اے اہلِ بیت! خدا کی رحمت اور برکات تم پر ہوں۔ تم اللہ کے حد سے تعجب کرتی ہو۔'' اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورت اہلِ بیت ہوتی ہے۔ [۱۷]

سرسید احمد خان کا علمی محاسبہ

مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تفسیر پر مناظرانہ رنگ غالب ہے۔ جگہ جگہ انہوں نے لوگوں کا علمی محاسبہ کیا ہے، جن میں عیسائی، ہندو، مرزائی شامل ہیں۔ انھوں نے جا بجا سرسید احمد خان کا بھی علمی محاسبہ کیا ہے۔ یہاں بطور نمونہ ایک مثال پیش کی جارہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اهدِنَــــا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ (الفاتحۃ: ۵)

''ہمیں سیدھی راہ پر پہنچا۔''

اس آیت کی تشریح میں مولانا لکھتے ہیں:

''قرآنِ کریم اور حدیث شریف سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ دعا جب دل کی توجہ سے کی جائے تو ضرور قبول ہوتی ہے۔ قرآنِ کریم میں صریح ارشاد ہے'' أجیب دعوة الداع اذا دعان۔ یعنی مانگنے والا مجھ سے دعا مانگتا ہے تو میں قبول کرتا ہوں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''خدا ایسا جواد ہے کہ دعا گو بندے کے ہاتھ کو خالی پھیرنے سے اسے شرم آتی ہے۔ [۱۸]

اس کے بعد انھوں نے دعا سے متعلق سرسید کا اقتباس نقل کیا ہے جو کچھ اس

طرح سے ہے:

''دعا جب دل سے کی جائے، ہمیشہ مستجاب ہوتی ہے، مگر لوگ دعا کے مقصد اور استجابت کا مطلب سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ جس مطلب کے لیے ہم دعا کرتے ہیں، دعا کرنے سے وہ مطلب حاصل ہوجائے گا۔ اور استجابت کے معنیٰ 'اس مطلب کا حاصل ہوجانا' جیسے ہیں۔ حالاں کہ یہ غلطی ہے۔ حصولِ مطلب کے لیے جو اسباب خدا نے مقرر کیے ہیں وہ مطلب تو انہی اسباب کے جمع ہونے سے حاصل ہوتا ہے، مگر دعا نہ تو اسباب سے ہے اور نہ اس مطلب کے اسباب کو جمع کرنے والی ہے، بلکہ وہ اس قوت کو تحریک کرنے والی ہے جس سے اس رنج ومصیبت اور اضطراب، جو مطلب کے نہ حاصل ہونے سے ہوتا ہے، تسکین دینے والی ہے۔''۱۹

سرسید کے اس اقتباس کا حوالہ دینے کے بعد مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اس کا یہ جواب دیا ہے:

''انبیاء سابقین نے تنگ آکر دعا کی تو ہم نے فوراً ان کے دشمنوں کو ہلاک کیا۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی نسبت فرمایا: "**فدعا ربه انی مغلوب فانتصر، ففتحنا ابواب السمآء بماء منهمر، وفجّرنا الأرض عيونا فالتقى الماء على أمر قد قدر**" عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ 'فاء' کو جس کا ترجمہ 'پس' ہے، جب کسی کلام پر متعاقب لاتے ہیں تو پہلا کلام پچھلے کے لیے سبب ہوتا ہے۔ جیسے 'سبنی زید فضر بتہ' مجھے زید نے گالی دی، پس میں نے اسے پیٹا۔ اس سے ظاہر ہے کہ گالی دینا پیٹنے کے لیے سبب ہے۔ اسی طرح آیت 'فدعا ربہ'، 'ففتحنا' کے لیے علّت ہے۔ جس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا بارش کے لیے یا کم سے کم بارش کے اسباب جمع کرنے کے لیے سبب ہوئی۔ گو کہ ہلاکت کے اسباب کچھ اور ہی ہوں، مگر اس میں شک نہیں کہ ان اسباب کو جمع کرنے میں دعا کو بھی دخل ہے۔ ورنہ 'ف'، لاکر 'ففتحنا' فرمانا بے معنیٰ ہے۔۲۰

اس ضمن میں مولانا نے تفسیر القرآن کے تحت مزید حوالے دیئے ہیں لیکن یہاں ایک حوالہ ہی کافی تھا جس سے بات واضح ہوجاتی ہے کہ دعا قبول ہوتی ہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری کی اس تفسیر میں اگرچہ مناظرانہ رنگ غالب ہے لیکن جیسا کہ ان کا مقصد مسلمانوں کو قرآن کا فہم عطا کرنا، اسلام پر ہونے والے اعتراضات کا رد کرنا اور قرآن اور اسلام کی عظمت ثابت کرنا تھا، اس میں انہیں پوری کامیابی حاصل ہوئی ہے"۔ان کا طرزِ بیان اور اسلوبِ نگارِش نہایت شگفتہ، سلیس اور سہل ہے۔ چنانچہ اس تفسیر سے بڑے پیمانے پر استفادہ کیا جارہا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سوہدروی، عبدالمجید خادم، سیرتِ ثنائی، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۹ء۔ص ۹۰

۲۔ فضل الرحمٰن بن میاں محمد، رئیس المناضر، حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری، دارالدعوۃ سلفیہ، شیش محل روڈ، ۱۹۸۷ء۔ص ۲۸

۳۔ سیرتِ ثنائی، ص ۹۸۔ ۴۔ حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری، ص ۳۱۔

۵۔ حوالہ سابق۔ص ۴۲۔۴۵ ۶۔ حوالہ سابق۔ص ۱۵۳۔۱۵۴

۷۔ حوالہ سابق۔ص ۲۴۷۔۲۷۰

۸۔ شاہد علی، سید، ڈاکٹر اردو تفاسیر بیسوی صدی میں' ملک اینڈ سنز کمپنی' اردو بازار' لاہور' س ن، ص ۳۳۔

۹۔ امرتسری، ثناء اللہ، تفسیر ثنائی، جلد اول، مقدمہ، مکتبہ قدوسیہ' اردو بازار' لاہور' دسمبر ۲۰۰۲، ص ۵۔

۱۰۔ تفسیر ثنائی، جلد اول، ص، ۱۸۔ ۱۱۔ تفسیر ثنائی، جلد اول، ص ۱۸۔

۱۲۔ صالحہ، عبدالحکیم شرف الدین، ڈاکٹر، قرآن حکیم کے اردو تراجم، قدیمی کتب خانہ۔ آرام باغ کراچی سن ندارد، ص ۲۳۵۔ ۱۳۔تفسیر ثنائی، جلد اول، ص ۱۸۔

۱۴۔ ازہری، تاج الدین، مولانا امرتسری، تفسیر ثنائی اور رد مذاھب، باطلہ، سہ ماہی فکرونظر اسلام آباد، جلد ۳۶، شمارہ ۳۔۴ اسلام آباد، ۱۹۹۹ء، ص ۲۹۵۔

۱۵۔ حوالہ سابق، ص ۲۹۷۔ ۱۶۔ حوالہ سابق، ص ۲۹۷۔۲۹۹

۱۷۔ تفسیر ثنائی، جلد سوم، ص ۵۵۔ ۱۸۔ تفسیر ثنائی، جلد اول، ص ۲۰۔

۱۹۔ تفسیر ثنائی، جلد اول، ص ۱۰۔ ۲۰۔ تفسیر ثنائی، جلد اول، ص ۲۱۔

تعارف و تبصرہ

نظریۂ ارتقاء و تصور تخلیق۔عصری مباحث کا جائزہ ڈاکٹر محمد رضوان

ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز ،نئی دہلی، مارچ ۲۰۲۲ء،صفحات: ۲۰۸، قیمت۔/۲۰۰ روپے

تخلیق کائنات ،انسانی وجود کے اسرار و مقاصد اور خالق کائنات کی تلاش و جستجو کے موضوعات علمی دنیا کے لیے ہمیشہ چیلنج رہے ہیں۔ان سوالات کی گتھی سلجھانے کی حتی المقدور کوشش کی گئی ہے۔اسی عمل کو علمی دنیا میں ’سائنس‘ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔دنیا کیسے وجود میں آئی؟ زندگی کی ابتدا کیسے ہوئی؟ کائنات کی وسعت پذیری کی انتہا کیا ہے؟ یہ سب سوالات تحقیق کا موضوع بنتے رہے ہیں۔زیر نظر کتاب ’نظریۂ ارتقا و تصورِ تخلیق: عصری مباحث کا جائزہ‘ میں ان تمام سوالوں سے تعرض کیا گیا ہے جو نظریۂ ارتقاء کے ضمن میں اب تک زیر بحث نہیں آسکے ہیں، یا جن کے تعلق سے علمی دنیا میں اب بھی تشنگی باقی ہے۔مصنف محترم ڈاکٹر محمد رضوان ناگ پور یونی ورسٹی میں ڈپارٹمنٹ آف مالی کیولر بائیولوجی اینڈ جینٹک انجینئرنگ میں پروفیسر ہیں۔ملکی و بین الاقوامی جامعات میں حیاتیاتی سائنس کی تدریس کی خدمت انجام دے چکے ہیں۔عالمی سطح کے مجلّات میں ان کے تحقیقی مقالات شائع ہو چکے ہیں۔یہ کتاب دراصل ماہ نامہ زندگی نو نئی دہلی میں سلسلہ وار شائع ہونے والے مضامین کا مجموعہ ہے۔

کتاب کی ابتدا میں مصنف محترم نے موضوع کے مالہ و ماعلیہ کا خلاصہ پیش کیا ہے۔انھوں نے مقصدِ تصنیف میں تین باتیں ذکر کی ہیں:(۱) آسان زبان میں ارتقاء کے حوالے سے خالص سائنسی سوالوں کا تعارف کرایا جائے، جو نظریۂ ارتقا کی تمام تر مقبولیت کے باوجود تشنہ تحقیق ہیں۔(۲) نظریۂ ارتقاء اور مذاہب عالم خاص طور پر اسلام کے ساتھ نظریۂ ارتقاء کے علمی رسپانس کی اجمالی تاریخ بیان کی جائے اور تاثرات کا جائزہ لیا جائے۔(۳) ان بنیادی سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی جائے جو مسلم طلبہ، محققین اور اساتذہ کو نظریۂ ارتقاء پڑھتے اور پڑھاتے ہوئے اس پر تحقیق کرتے ہوئے پیش آتے ہیں۔

دس ابواب پر مشتمل یہ کتاب نظریۂ ارتقاء سے تفصیلی بحث کرتی ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے بیان میں قطعیت کے ساتھ ارتقاء کی تردید نہیں ہے۔مصنف نظریۂ ارتقاء کی دو قسمیں: خورد ارتقاء(microevolution)اور ارتقائے کلاں

(macroevoltion) بیان کرتے ہیں۔ اول الذکر کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ مسلمان علماء کے یہاں یہ کبھی قابلِ تعرّض نہیں رہا، جب کہ مؤخر الذکر ابھی سائنسی حقائق سے ثابت نہیں ہوسکا ہے، اس کی بنیاد ابھی مفروضات پر ہے۔

باب اول میں نظریۂ ارتقاء کا تعارف، اس کے تعلق سے سوالات، اس کے قبولِ عام ہونے کے اسباب، کلیسا کے آہنی پنجے اور غیر فطری پابندیاں، علمی بددیانتی، آزادانہ علمی جستجو پر غیر ضروری قدغن، سائنسی تحقیقات کو حقیر گرداننا وغیرہ کی وضاحت کی ہے۔ نظریہ ارتقاء کے بالمقابل نظریۂ تخلیق کی تحریک، اس کی کام یابی کے اسباب، کائنات، حیات اور انسان سے متعلق سوالات کا ذکر ہے۔ باب دوم کا عنوان ہے: 'زندگی کی ابتدا کیسے ہوئی؟' اس میں نظریۂ ارتقاء کے بارے میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ یہ نظریہ انسان سمیت تمام انواع کے ظہور سے متعلق گفتگو کرتا ہے، البتہ زندگی اور اس کے وجود سے بحث نہیں کرتا۔ اس کے تحت چیدہ چیدہ اور بسا اوقات گنجلک خیالات ضرور ملتے ہیں۔ اس بحث میں نظریۂ ارتقاء اور تصور ارتقاء کی مشکل بحث کی سادہ لفظوں میں وضاحت کی گئی ہے۔ باب سوم 'ابتدائی حیاتیاتی سالمات سے ابتدائی خلیے تک' میں ابتدائی حیاتیاتی سالمات کی تشکیل کے لیے درکار کیمیائی تعاملات کا ذکر ہے۔ مصنف اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ ابتدائی حیاتی سالمے سے ابتدائی خلیے تک کا تحقیقی سفر اب بھی مفروضوں پر مبنی ہے اور اس سلسلے میں کوئی ٹھوس علمی تحقیق تاحال سامنے نہیں آسکی ہے۔ باب چہارم 'انواع اور انواع پذیری' اور باب پنجم 'تصورِ ارتقاء اور ساختیاتی پیچیدگی' سے متعلق ہیں۔ باب ششم 'تصور ارتقاء، نظریۂ ارتقاء اور موجودہ انسان' میں یہ بحث کی گئی ہے کہ کیا نظریۂ ارتقاء انسان کی پیچیدگی کی وضاحت کرسکتا ہے؟ انسانی نفسیات، اخلاق، معاشرت اور تہذیب کو جدید ڈارونزم کے قائلین سرے سے خارج کرتے ہیں۔ روحانیت، روحانی تصورات اور مذہب کو اضافی فٹنس، بہتر بقا کی اسٹریٹجی اور اجتماعی فٹنس تصور کرتے ہیں۔ باب ہفتم 'جدید انسان، رکازات اور نظریۂ ارتقاء' سے متعلق ہے۔ باب ہشتم 'نظریۂ ارتقاء اور الحاد' میں الحاد کی تاریخ، کیا نظریۂ ارتقاء الحاد کو سند فراہم کرتا ہے؟ کیا نظریۂ ارتقاء کو ماننا الحاد کا اقرار ہے؟ کیا نظریۂ ارتقاء کو مانتے ہوئے مسلم رہا جاسکتا ہے؟ جیسے سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ اول الذکر دو سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ باب نہم 'خدا آشنا ارتقاء' میں مصنف نے لکھا ہے کہ نظریۂ ارتقاء پر عیسائی دنیا میں تو کام ہوا ہے، البتہ

اسلامی تصورِ خالق اور عیسائی تصورِ خالق میں کیا جوہری فرق ہے؟ قرآن کا تخلیقی بیانیہ بائبل کے تخلیقی بیانیے سے کتنا الگ ہے؟ یہ سوالات مسلم محققین کے لیے چیلنج ہیں۔ باب دہم 'نظریۂ ارتقاء مسلم علماء و مفکرین کی نظر میں' کے عنوان سے ہے۔ اس میں فاضل مصنف نے 'ماقبل ڈارون مسلم فلاسفہ و محققین کے نام ذکر کیے ہیں، جن کے یہاں حیات، مخلوقات کے وجود میں آنے کے میکانزم اور حیاتی ارتقاء کے سلسلے میں گفتگو ملتی ہے۔ اس باب میں اس پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ کہاں اور کس زبان میں نظریۂ ارتقاء پر کام ہوا ہے۔ اخیر میں مسلم علماء، مفکرین اور محققین کا علیٰحدہ علیٰحدہ جدول ترتیب دیا گیا ہے اور ان کے نام کے ساتھ نظریۂ ارتقا کے سلسلے میں قبول ورد کے موقف کی وضاحت کی گئی ہے۔ کتاب کا آخری باب 'تخلیق کا قرآنی بیانیہ اور نظریۂ ارتقاء' کے عنوان سے ہے۔ اس میں فاضل مصنف نے جہاں تصورِ تخلیق کے قرآنی بیانیہ کی وضاحت کی ہے، وہیں قرآنی تصورِ تخلیق اور نظریۂ ارتقاء میں فرق کو بھی واضح کیا ہے۔ باب کے اخیر میں جدول کی شکل میں نظریۂ ارتقاء اور قرآنی تخلیقی بیانیہ کا جوہری فرق اور جوہری مماثلتیں اس خوب صورتی کے ساتھ بیان کی ہے کہ قاری ایک نظر میں اس فرق کو محسوس کر لیتا ہے۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر اردو دنیا کے سائنس سے شغف رکھنے طلبہ، اسکالرس اور اساتذہ کے لیے گراں قدر تحفہ ہے۔ یہ سائنس کے اسکالرس واساتذہ کو غور وفکر کی دعوت دیتی ہے کہ وہ اس کے مباحث کو اپنے مطالعے کا موضوع بنائیں اور مصنف کے پیش کردہ خیالات وتجزیہ کا علمی جائزہ لیں۔

کتاب کا موضوع مشکل ہونے کے باجود اسے آسان زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ انگریزی الفاظ واصلاحات کے متبادل اردو الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں۔ البتہ کہیں کہیں متبادل اردو الفاظ مفہوم کی مکمل ادائیگی نہیں کر پاتے، یا انھیں سمجھنا انگریزی الفاظ سے زیادہ مشکل محسوس ہوتا ہے۔ مثلاً checks and balances کے لیے 'قدغنی توازن' اور simple metabolic reactions کے لیے 'سادہ تحولاتی نظریے' کا استعمال۔ جن انگریزی اصلاحات کے اردو متبادل وضع کیے گئے ہیں، بہتر ہوتا کہ کتاب کے آخر میں ان کی تشریح کر دی جاتی، تاکہ عام قارئین کے لیے ان کو بہ آسانی سمجھ لینا ممکن ہوتا۔ (محمد انس مدنی)

اصلاح معاشرہ۔منصوبہ بند عصری طریقے سید سعادت اللہ حسینی

ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، دسمبر۲۰۲۱ء، صفحات:۱۳۶، قیمت:۱۲۰/روپے

معاشرہ کی اصلاح کے لیے حالات اور تقاضوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے مناسب تدبیریں اختیار کرنا اور قابلِ عمل پہلوؤں کو اجاگر کر کے لوگوں کو ان کی طرف متوجہ کرنا ہمیشہ سے سماج کے باشعور طبقہ کی ذمہ داری رہی ہے۔ یہ کام اس لیے بھی ضروری ہے کہ معاشرہ کی حیثیت اپنے آپ میں ایک تربیت گاہ کی ہوتی ہے۔ معاشرہ کی مخصوص تہذیب وثقافت اور تعلیمی وتربیتی ادارے جو سانچہ مہیا کرتے ہیں، نسلیں خود کو اسی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتی ہیں۔ دورِ حاضر کی پُر فریب اور بے لگام تہذیب نے زندگی کے مسائل کو جس قدر پیچیدہ بنا دیا ہے، خاص طور پر مسلم معاشرہ کو جن مشکلات کا سامنا ہے، ان کے حل کے لیے صرف پُر زور خطابت اور وعظ ونصیحت ہی کافی نہیں ہے؛ بلکہ ایسے منصوبہ بند عملی طریقوں اور مناسب تدابیر کی ضرورت ہے جن میں گہرائی کے ساتھ سماجی بے راہ روی کا جائزہ لیا گیا ہو۔ زیرِ نظر کتاب اسی موضوع سے بحث کرتی ہے۔

اس کتاب کے اکثر حصے ماہ نامہ 'زندگی نو' نئی دہلی میں اشارت (اداریوں) کے کالم میں شائع ہو چکے ہیں۔ اب مزید اضافہ اور نظر ثانی کے بعد ان کو کتابی صورت دی گئی ہے۔ یہ کتاب چھ (٦) ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب 'اصلاح معاشرہ کا سماجیاتی اپروچ' کے عنوان سے ہے۔ اس کے تحت مصنف نے کتاب کا مقصد واضح کرتے ہوئے اصلاح کے طریقۂ کار سے بحث کی ہے۔ دوسرے باب میں انھوں نے اصلاح کی راہ میں درپیش رکاوٹوں (غلط عقائد وتصورات، خاندانی وسماجی روایات، اس سے جڑے لوگوں کے مفادات) کا جائزہ لیا ہے۔ تیسرا باب 'اخلاقی تصور اور اخلاقی حسّاسیت' کے عنوان سے ہے۔ اس میں اسلام کے تصورِ اخلاق پر روشنی ڈالنے کے ساتھ اخلاقی حسّاسیت کے زوال کے اسباب کو بیان کیا ہے، ساتھ ہی ان کے مناسب علاج کی طرف رہ نمائی کی ہے۔ چوتھا باب 'سماجی معمولات' سے بحث کرتا ہے۔ (معمولات سے مراد ایسے غیر رسمی اصول ہیں جن کی بنیاد پر بعض اعمال سماج کی جانب منسوب ہوتے ہیں

اور بعض نہیں ہوتے) ۔اس باب میں خاص طور پر اس جانب طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ مصلحین کسی غلط عمل کی اصلاح کے لیے بار بار اس برائی کے پھیلاؤ اور اس کی قبولیتِ عامہ کا تذکرہ نہ کریں، ورنہ لوگوں کے ذہنوں سے اس عمل کی شناعت کا احساس ختم ہوجاتا ہے۔انبیائی تاریخ کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ایسے نئے معمولات کو فروغ دیا جائے جو پرانے غلط معمولات کو کم زور کردیں۔اگلے دو ابواب ' اصلاح معاشرہ اور سوشل انجینئر نگ' اور 'سوشل انجینئر نگ اور باطل طاقتیں' کے عنوان سے ہیں۔ان میں ایسی حکمت عملی اور منصوبہ بند کوششوں کا خاکہ پیش کیا گیا ہے جن سے سماج میں بڑے پیمانے پر تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔ باطل طاقتیں موجودہ دور میں اس حکمت عملی سے کس قدر فائدہ اٹھا رہی ہیں؟ اس جانب توجہ دلاتے ہوئے مسلم اہل علم ودانش سے یہ اپیل کی ہے کہ وہ بھی ان کارگر طریقوں سے بھرپور استفادہ کریں۔کتاب کے اخیر میں 'سوشل انجینئر نگ' کی عملی مثالیں پیش کرتے ہوئے ان میں موجود خامیوں کو اجاگر کرنے کے ذرائع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

حالیہ دنوں میں اصلاحِ معاشرہ کے موضوع پر اردو زبان میں جو تحریریں سامنے آئی ہیں ، ان میں اس کتاب کو فوقیت حاصل ہے۔اس میں اصلاح معاشرہ کے لیے جن تدابیر کا ذکر ہوا ہے، ان کا تعلق راست معاشرہ کے ہر فرد سے ہے۔ سماج کی تبدیلی کے لیے جو جدید ذرائع اور مناسب طریقے ہیں، ان کا جگہ جگہ حوالہ دیا گیا ہے اور قرآن وسنت کی روشنی میں ان سے استفادہ کی طرف لوگوں کو توجہ دلائی گئی ہے۔ 'سوشل انجینئر نگ :عملی مثالیں' کے ضمن میں مسائل کی وضاحت کے لیے الگ الگ جگہوں پر سات چارٹ بنائے گئے ہیں، جن میں بالترتیب برائی، اس کے عوامل، اس کے اثرات اور پھر اس کا حل پیش کیا گیا ہے۔ مسائل کی تفہیم کے لیے یہ طریقہ بہت مفید اور کارگر ہے۔

فاضل مصنف نے قرآن وسنت سے استدلال کے ساتھ موضوع سے متعلق دست یاب مراجع سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ان کا اسلوبِ بیان بھی بہت مؤثر ہے۔ان کا ایک نمایاں وصف یہ بھی ہے کہ وہ جذبات کے بجائے عقل کو اپیل کرتے ہیں۔ اصلاحِ معاشرہ سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے یہ کتاب مشعلِ راہ ثابت ہوگی اور وہ اس سے بھرپور استفادہ کریں گے۔

(محمد صادر ندوی)

خبر نامہ ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی (۸۳)

☆صدر ادارہ مولانا سید جلال الدین عمری کا ایک کتابچہ'اسلامی اخوت اور اس کے تقاضے' مرکزی مکتبہ نئی دہلی سے شائع ہوا ہے۔ بہت پہلے یہ مضمون ماہ نامہ زندگی نو میں شائع ہوا تھا۔اب نظر ثانی اور حذف و اضافہ کے بعد اس کی اشاعت عمل میں آئی ہے۔اس میں واضح کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان کس قسم کی اخوت ہونی چاہیے اور کیسے تعلقات پائے جانے چاہیں؟ صفحات: ۲۰، قیمت: ۳۰ روپے

☆مولانا عمری کا ایک کتابچہ'دولت میں اللہ اور بندوں کا حق' عرصہ سے شائع ہو رہا ہے۔اب اس کا چوتھا ایڈیشن طبع ہوا ہے۔صفحات: ۲۴، قیمت/-۳۰ روپے۔

☆نائب صدر ادارہ مولانا محمد رضی الاسلام ندوی کا ایک کتابچہ'اسلامی پردہ' ۱۹۹۹ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ سے شائع ہوا تھا۔اب تک اس کے متعدد ایڈیشن مختلف مکتبات سے شائع ہو چکے ہیں۔اب اصل کتاب اور اس کا ہندی ترجمہ شعبۂ اصلاح معاشرہ ودار القضاء، دلدارنگر، غازی پور، یوپی سے شائع ہوا ہے۔صفحات: ۴۰، قیمت: ۳۰ روپے۔

☆۱۰رفروری ۲۰۲۲ء کو ادارہ میں مولانا ذکی الرحمٰن غازی مدنی استاد جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ کی آمد کے موقع پر، اسکالرس کے ساتھ ایک علمی نشست منعقد ہوئی۔اس میں مہمان موصوف نے اسکالرس کو ان کے مفوضہ مقالات کے حوالے سے رہ نمائی کی۔

☆۲۵رفروری ۲۰۲۲ء کو ادارہ کے اسکالر مولانا سالم برجیس ندوی نے دار البحث والاعلام لکھنؤ کے تحت چلنے والے'اللقاء الثقافی' کے ہفتہ وار پروگرام میں شرکت کی اور 'کرپٹو کرنسی: ایک مطالعہ' کے عنوان پر اپنا مقالہ پیش کیا۔

☆ ۲۸فروری ۲۰۲۲ء بروز پیر بعد نماز مغرب ادارہ میں مولانا محمد جرجیس کریمی کی صدارت میں اسکالر سیمینار کا انعقاد ہوا، جس میں ماہ نامہ زندگی نو کے اشارات کے دو اہم سلسلے'اصلاحِ معاشرہ' اور'ہندتوا' کے تجزیے اور خلاصے پیش کیے گئے۔محسن جاوید قاسمی نے'اصلاح معاشرہ: رکاوٹیں اور ان کا ازالہ'، فیضان اللہ ندوی نے'اصلاح معاشرہ اور سوشل

انجینئرنگ‘، محمد صادر ندوی نے ’ہندوتوا کی فکری اساسیات‘، مظہر جمیل رشیدی نے ’ہندوتوا اور سیکولر مفکرین‘، محمد طارق بدایونی نے ’ہندوتوا اور غیر کانگریسی مفکرین‘ اور سالم برجیس ندوی نے ’ہندوتوا اور مسلم سیاست‘ کے عنوان سے اپنے مقالے پیش کیے۔ آخر میں صدرِ مجلس مولانا محمد جرجیس کریمی نے صدارتی کلمات میں کسی تحریر کا خلاصہ پیش کرنے کے سلسلے میں رہ نمائی کی۔

☆ ۷-۸/ مارچ ۲۰۲۲ء کو پروفیسر خلیق احمد نظامی مرکز علوم القرآن، مسلم یونی ورسٹی میں ’خواتین میں قرآن فہمی کے فروغ کی عملی تدابیر‘ کے عنوان سے دو روزہ سیمینار منعقد ہوا۔ اس کے افتتاحی اجلاس کی صدارت سینئر رکن ادارہ مولانا محمد جرجیس کریمی نے کی۔ انھوں نے اسلام میں خواتین کا مقام و مرتبہ، تبلیغ دین میں خواتین کا کردار اور موجودہ دور میں تفقہ فی الدین کے تقاضوں پر روشنی ڈالی۔

☆ ۹/ مارچ ۲۰۲۲ء کو ادارہ میں جامعہ اسلامیہ (مدینہ منورہ) کے فاضل ڈاکٹر عمار اجمل مدنی تشریف لائے اور ’الیکٹرانک لائبریریوں سے استفادہ کی شکلیں‘ کے عنوان سے لیکچر دیا۔ موصوف نے اپنے تجربات کی روشنی میں اسکالرز کو جدید ٹیکنالوجی سے استفادہ کی طرف رہ نمائی کی، مشہور اور معتمد مکتبات کا مختصر تعارف پیش کیا، خاص طور پر ’المکتبۃ الشاملۃ‘ کے بارے میں بتایا کہ کس طرح اس کا استعمال کرکے تحقیق کی راہ میں سہولت اور رفتار میں تیزی لائی جاسکتی ہے؟

☆ ۱۳/ مارچ ۲۰۲۲ء کو ادارہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے نائب مہتمم مولانا عبدالقادر ندوی مظاہری تشریف لائے۔ انھوں نے ادارہ کی علمی و دینی سرگرمیوں پر قلبی مسرت کا اظہار کیا اور ہمت افزائی کی۔ ادارہ کے میڈیا سینٹر کا معائنہ کیا اور یوٹیوب چینل (ITTI ALIGARH) پر موجود ویڈیوز کی چند جھلکیاں دیکھیں، مخطوطات سے خصوصی دل چسپی کے سبب لائبریری میں موجود نادر مخطوطات کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا اور مفید مشورے دیے۔ اس کے بعد ادارہ کے رفقاء و اسکالرس کے ساتھ ان کی مفید نشست ہوئی۔

☆۱۷/ مارچ ۲۰۲۲ء کو پروفیسر عبد الرحیم قدوائی (ڈائریکٹر خلیق احمد نظامی قرآنک سنٹر، اے ایم یو، علی گڑھ) ادارہ تشریف لائے۔ اس موقع پر ایک علمی نشست کا انعقاد کیا گیا، جس میں موصوف نے 'استشراق اور مستشرقین' پر گفتگو کی۔ انھوں نے مغرب اور مغربی نظریات کے عمیق مطالعہ کی ضرورت کا اظہار کیا اور اس سلسلے میں چند اہم کتابوں کی جانب رہ نمائی کی۔

☆ادارہ میں توسیعی خطبات سیریز کے تحت ۲۷/مارچ ۲۰۲۲ کو پروفیسر عبد الرحیم قدوائی نے 'اکیسویں صدی میں قرآن مجید کے انگریزی تراجم' کے زیر عنوان خطبہ پیش کیا۔ اس علمی پروگرام کی صدارت سابق صدر شعبۂ اسلامیات مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی نے کی۔ پروگرام کی نظامت ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی نے کی۔ ادارہ کا یہ آف لائن پروگرام فیس بک پر لائیو نشر کیا گیا۔ یونی ورسٹی واطراف کی بڑی تعداد نے اس سے استفادہ کیا۔

☆ادارہ میں جناب ملک محمد ارشد فلاحی کی نگرانی میں 'انٹرنیٹ اور انگریزی زبان سے استفادہ کی شکلیں' کے موضوع پر چار روزہ ورک شاپ کا انعقاد ہوا۔ موصوف نے انٹرنیٹ سے استفادہ کے طریقِ کار کی وضاحت کی، اسی طرح انگریزی کتابوں سے حوالہ جات کے سلسلے میں رہ نمائی کی۔ ساتھ ہی سوشل میڈیا کے مثبت استعمال کے فوائد اور منفی استعمال کے نقصانات پر روشنی ڈالی۔ ورکشاپ سے ادارے کے رفقاء واسکالرس نے استفادہ کیا۔ ہر لیکچر کے بعد سوال وجواب کا سیشن بھی رہا۔

☆اسلامک اسٹوڈینٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا (SIO) کے ترجمان ماہ نامہ 'رفیق منزل' مارچ ۲۰۲۲ء میں 'ڈیجیٹل دور اور مطالعہ' کے عنوان پر مضمون نویسی کے مقابلے کا اعلان کیا گیا تھا۔ ادارہ کے دو اسکالرس: محمد صادر ندوی اور سالم برجیس ندوی نے اس میں حصہ لیا تھا۔ محمد صادر ندوی نے پہلی پوزیشن حاصل کی۔ انہیں ای۔ سرٹیفیکٹ کے ساتھ پانچ ہزار روپے نقد انعام دیا گیا اور رفیق منزل پانچ سال کے لیے جاری کر دیا گیا۔

ISSN:2321-8339

Organ of Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Quarterly

TAHQEEQAT-E-ISLAMI
ALIGARH

Vol. 41 No.2

April - June 2022

Editor

Syed Jalaluddin Omari

Asstt. Editor

Muhammad Raziul Islam Nadvi

Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Nabi Nagar (Jamalpur)، P.O. Box: 93

ALIGARH - 202 002 (INDIA)

www.tahqeeqat.net Email: tahqeeqat@gmail.com

CONTENTS

1. **Importance of Ijtihad in Court Verdicts** **5**

Syed Jalaluddin Umari

2. **Anglo-Norman Literature of English and Islam** **13**

Mr. Zaryab Ahmad Falahi

3. **Forms of Marriage in the West and the Concept of Nikah in Islam** **43**

Maulana Kamal Akhtar Qasmi

4. **The Wisdom behind Qur'anic Oaths** **67**

Professor Muhammad Saud Alam Qasmi

5. **Tyranny and Despotism - Islamic Viewpoint** **83**

Maulana Muhammad JarjisKarimi

6. **Maulana Sanaullah Amritsari and the Tafsir-i- Sanai** **101**

Hafiz Muhammad Zuhaib Haneef

7. **Book Reviews** **113**

Activities of Idara-e- Tahqee-o-Tasneef-e-Islami **118**

Abstract of the Articles

Importance of *Ijtihad* in Court Verdicts

Syed Jalaluddin Umari

President Idara Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami, Aligarh

And Chairman Shri'ah Council, Jamaat-e-Islami Hind

Ijtihad (independent reasoning to deduct ruling from Islamic sources), in a given issue, is done when there is no specific rulingin that regard available in the Qur'an and Hadith. A qazi has been enjoined to seek the suggestions of knowledgeable persons while doing Ijtihad, and knowledgeable persons have been urged to keep well-wishing in mind and give appropriate suggestions when asked therefor; preconception has been prohibited. They should neither extend undue support to anyone nor exert baseless opposition towards anyone. Thereby Islam wants to establish a society in which mutual compassion, well-being and sympathy is maintained.

Anglo-Norman Literature of English and Islam

Mr. Zaryab Ahmad Falahi

Assistant Teacher, Department of

Basic Education, Azamgarh

zaryabahmad_teacher@gmail.com

The Anglo-Norman period of the English literature has many characteristics. Islam was made a subject of discussion in a very limited manner in the ancient English literature. But during the Anglo-Norman period Muslims and Christians came close to each other as they availed of the opportunities of mutual fraternity. However, as a result of the Crusades, English litterateurs and men of letters poisoned the minds of

people against Islam and Muslims. Anepic entitled 'Richard Shedol' describes the events of the Third Crusade. It eulogises the Crusaders, and expresses denigratory and blasphemous sentiments towards Muslims. The songs written in the French language at that time vilify and disparage Islam, mock the Holy Prophet and attribute unsubstantiated vituperation to him. Among these songs, La Chanson de Roland, Historia de Mahomete, Roman de Mahomet, Chanson de Geste, and Otiade Machomete are worth mentioning here.

The real target of the then polemical Christians' strategy to malignIslam was to disparage the prophetic status of the Holy Prophet so that it might be proved that he was not the Prophet of God.

It was in that period that they started translating the Holy Qur'an into English. The first translation of the Holy Qur'an into the Latin language was done in 1143 CE, which was published four centuries later, in 1543 CE. George Sale translated the Holy Qur'an directly from Arabic into English in 1734 CE. This translation was undertaken to meet the missionary requirements.

This article analyses the English literature of Anglo-Norman period. It shows, in the books written in that period, how highly baseless and false things were attributed to Islam, the Prophet of Islam and Muslims and how attempts were made to prove them barbarian and uncivilized.

Forms of Marriage in the West and the Concept of Nikah in Islam

Maulana Kamal Akhtar Qasmi
Member, Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami, Aligarh
kamalakhtarqasmi@gmail.com

Nikah (marriage) has been acknowledged as a

fundamental right of every person in the West. A marriage gets acceptance only when it is solemnised in a court or formally registered there. For this purpose, a document is issued by the church or any other authority. The document specifies the mutual willingness of both the parties. In western countries there are various laws pertaining to the minimum age for marriage. These laws most often undergo modifications. In these countries it is illegal for a man or a woman to solemnise more than one marriage at a time; and its punishments have been quantified.

This article throws light on the different methods, laws, conditions and forms of solemnising marriage in the west. Thereafter it describes the Islamic laws for Nikah. In this regard it throws light on the announcement of Nikah, wali(an adult person from the bride's side who approves the marriage), witness, mahr (token money or kind given by the groom), nafaqah (alimony), sukna (habitable residence), muharrimat (the women with whom Nikah is prohibited), conditional Nikah, etc. Towards the end, the forms of Nikah prohibited in Islam have been described.

The Wisdom behind Qur'anic Oaths

Professor Muhammad Saud Alam Qasmi
Dean faculty of theology aligarh Muslim university
alamsaud@yahoo.com

Taking an oath during talks has been in vogue since the ancient times. Satan resorted to oath to get Hazrat Adam and Hawwa driven out of the Paradise. The Bible mentions many oaths of Prophets of Bani Israel. The Holy Qur'an was

revealed to the people of Arabia. Taking oaths during talks was very much in their practice. There are many examples of oath taking in the lectures and poetry of the Arabs. As per the style then prevalent in Arabia, in the Holy Qur'an too oaths have been taken.

The Qur'an prohibits us from taking false oaths, and enjoins us to take oath only in the name of Allah. There is forgiveness on taking false oath and in case of not abiding by the ruling while taking sincere oath the Qur'an enjoins to pay kaffarah (atonement).

There is eloquence, wisdom and comeliness in the oaths taken in the Holy Qur'an. The Qur'an uses different words and letters for oath taking. At different places in the Qur'an Allah takes oath of His Own Exalted Self while at other places He swears onsome of His creations i.e. objects of the visible universe like the sky, earth, moon, sun, stars, day and night, trees, mountains, etc. It makes them witness to the truthfulness of Tawheed (Monotheism), Risalat (Prophethood) and Akhirat (the Day of Judgement).

The article throws light in detail upon the wisdom behind the Qur'anic oaths.

Tyranny and Despotism - Islamic Viewpoint

Maulana Muhammad Jarjis Kareemi
Member, Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami, Aligarh
jarjeeskarimi@gmail.com

The Holy Qur'an mentions different forms of zulm (oppression, persecution, tyranny or victimisation, etc.). The first form is zulm in regard to the right of Allah. The most apparent expression of it is shirk, kufr and nifaq. Another form

is man's abuse or victimisation of himself. The third form is someone's persecution of others. In this regard different forms of zulm have been described. For example, killing a person without any reason, enslaving a person, driving people out of their houses, differentiating between persons or groups on the basis of race or sex, demolishing places of worship, exploiting people financially, undue sense of competition, practising hatred towards the oppressed, etc. This article dwells upon these forms of zulm.

Towards the end, the writer has presented the Islamic viewpoint on zulm. Islam stands contrary to zulm. It helps the oppressed. And the very purpose of delegating the Last Prophet is that he freed people from the burden that they had been suffering from, and unfastened the shackles they had been chained with. Islam enjoins us to behave politely with the weak and oppressed. It deems speaking the truth before a despot as the best jihad. Islam does not bear zulm in any form, and deems its containment as the responsibility of society.

Maulana Sanaullah Amritsari and the *Tafseer-e-Sanai*

Hafiz Muhammad Zuhaib Haneef
Research Scholar, Department of Islamic Studies,
University of Karachi
zaibizohaib26@gmail.com

Maulana Sanaullah Amritsari (1868-1947 CE) was one of the renowned Ulama of the 20th century. He attained popularity as '*Munazir-e-Islam*'. He did dialectic debates with Christian evangelists and Hindu theologians and gave fitting reply to their anti-Islam diatribes. Likewise, Qadiyanis were raising their heads during his time. Maulana Amritsari nipped

their claim in the bud. Maulana strongly refuted Qadiyaniyat with his speeches and writings.

This article briefly throws light on the life of Maulana Sanaullah Amritsari and presents a list of his works. It also presents an introduction of Maulana's Urdu tafsir entitled Tafsir-i-Sanai, and highlights its salient features. The writer says that Maulana Amritsari has maintained Nazm-e-Qur'an, and his translation is simple and lucid. In his tafsir he has rejected false religions; and has warned in particular the mistakes committed by the Christians. At some points he has questioned Sir Syed's theories, and contradicted certain important Qur'anic issues and discussions.

BOOK REVIEWS

1. *Nazariya e Irtiqa wa Tasawwur e Takhleeq: Asri Mabahis ka jayeza* (The theory of evolution and the concept of creation- Overview of modern topics), Dr. Mohd Rizwan (deputy director, Centre for Study and Research), Markazi Maktaba Islami Publishers, New Delhi, Pages:208, Price 200/.

Reviewed by Maulana Muhammed Anas Madani

2. *Islahe Muashara: Mansubaband Asri Tariqey* (Reform society: Planned modern methods), Syed Sadatuallah Hussaini (Ameer, Jamat-e-Islami Hind), Markazi Maktaba Islami Publishers, New Delhi, Pages:136, Price 120/.

Reviewed by Maulana Muhammed Sadir Nadvi

معاشی نظام

نام کتاب	مصنف	قیمت
قرآن کی معاشی تعلیمات	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	20.00
بینکنگ اور انشورنس	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	13.00
اسلام اور جدید معاشی نظریات	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	48.00
مسئلہ ملکیت زمین	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	45.00
حرمتِ سود	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	20.00
غیرسودی بینک کاری	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	140.00
اسلام کا معاشی نظام	ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی	10.00
اسلام کا نظریۂ ملکیت	ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی	300.00
مالیات میں اسلامی ہدایات کی تطبیق	ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی	24.00
معاش، اسلام اور مسلمان	ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی	50.00
بیمہ زندگی	نعیم صدیقیؒ	10.00
اسلام اور معاشی تحفظ	علامہ یوسف القرضاوی	55.00
اسلامی معاشیات ایک تعارف	ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدیؒ	18.00
سرمایہ دارانہ نظام ایک چیلنج	ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدیؒ	50.00
حرمتِ سود	ڈاکٹر محمد عمر چھاپرا	32.00

آرڈر کے لیے رابطہ نمبر 7290092403 Mob: 7290092401, 7290092405

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز MMI PUBLISHERS

D-307, Dawat Nagar, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025

Email: info@mmipublishers.net | mmipublishers@gmail.com | **Web:** www.mmipublishers.net

R.No. 38933/81
April-June 2022

Quarterly
Tahqeeqat-e-Islami
Aligarh

Mob. +91-9412671962
+91-9897746586

مولانا سید جلال الدین عمری کی تالیفات

شمار	نام کتاب	قیمت
۱	تجلیاتِ قرآن	۳۲۵/
۲	اسلام-انسانی حقوق کا پاسبان	۹۰/
۳	غیر اسلامی ریاست اور مسلمان	۲۵/
۴	کمزور اور مظلوم اسلام کے سایہ میں	۵۰/
۵	صحت ومرض اور اسلامی تعلیمات	۲۵۰/
۶	خدا اور رسول کا تصور-اسلامی تعلیمات میں	۱۴۰/
۷	معروف ومنکر	۱۸۵/
۸	اسلام کی دعوت	۲۲۵/
۹	غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	۱۸۵/
۱۰	تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث	۱۰۰/
۱۱	تہذیب وسیاست کی اسلامی قدریں	۶۵/
۱۲	عورت-اسلامی معاشرے میں	۲۶۰/
۱۳	مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ (مجلد)	۱۳۰/
۱۴	عورت اور اسلام • مجلد ۱۱۰/ • عام	۶۰/
۱۵	اسلام کا عائلی نظام	۱۰۵/
۱۶	مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں	۴۲/
۱۷	قرآن کا نظام خاندان	۲۴/
۱۸	اسلام-ایک دینِ دعوت	۲۵/
۱۹	دعوت وتربیت-اسلام کا نقطۂ نظر	۵۵/
۲۰	راہیں کھلتی ہیں • مجلد ۱۴۰/ • عام	۹۵/
۲۱	سبیل رب۔دعوت الی اللہ کا راستہ	۴۵/
۲۲	اوراقِ سیرت	۲۵۰/
۲۳	خطبات پاکستان	۱۰۰/
۲۴	عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے	۵۲/
۲۵	انسان اور اس کے مسائل	۴۰/
۲۶	اسلام اور مشکلات حیات	۴۵/
۲۷	خدا کی غلامی-انسان کی معراج	۱۴/
۲۸	اسلام اور وحدت بنی آدم	۱۶/
۲۹	اسلام میں خدمت خلق کا تصور	۱۱۰/
۳۰	انفاق فی سبیل اللہ	۴۵/
۳۱	دولت میں خدا اور بندوں کا حق	۱۶/
۳۲	انسانوں کی خدمت-اسلام کی نظر میں	۱۶/
۳۳	جماعت اسلامی ہند-پس منظر، خدمات اور طریقۂ کار	۴۳/
۳۴	ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟	۱۸/
۳۵	ملک وملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں	۳۲/
۳۶	یہ ملک کدھر جارہا ہے؟	۳۵/
۳۷	بچے اور اسلام	۱۴/
۳۸	خاندان کی اصلاح اور اولاد کی تربیت	۲۰/
۳۹	فقہی اختلافات کی حقیقت	۲۵/
۴۰	بعض اہم اسلامی اصطلاحات کی تشریح	۱۸/
۴۱	سوئے حرم چلا	۳۲/
۴۲	دینی علوم کی تدریس	۱۴/

ملنے کے پتے:

۱- ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔ ۲
۲- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی-۳۰۷، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵